ساتویں
گنبد
علیم الحق حقی
محمد سجاد بھٹی
محمد نعمان
جاسوسی ڈائجسٹ : اکتوبر
1987

[illegible]

فتوحات پر شادمانی کا اظہار اور شکست پر افسردگی و ملال سبھی کو ہوتا ہے لیکن اس ردِعمل کے اظہار کا ہر شخص کا اپنا ایک الگ طریقہ ہوتا ہے۔ بحیثیت قوم بھی یہ رویے مختلف ہوتے ہیں اور اگر پختگی اختیار کر جائیں تو اکثر یہ قوموں کی شناخت بن جاتے ہیں۔ بحیثیت مجموعی ہماری بھی یہ کچھ شناخت سی بنتی جا رہی ہے کہ ہم جب کسی کی اچھی کارکردگی سے خوش ہوتے ہیں تو اسے سر پر بٹھا لیتے ہیں۔ اس کی مدح و توصیف میں پرستش کی حد تک چلے جاتے ہیں لیکن اس کی ایک آدھ ناکامی سے برافروختہ ہوتے ہیں تو اس کا سارا ماضی مٹی میں ملا دیتے ہیں حالانکہ شکست و ناکامی اتفاقی بھی ہو سکتی ہے۔ اس کہانی میں یہی کچھ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

شکست و کامیابی کی دھوپ چھاؤں میں سرگرم ایک کھلاڑی کی دلچسپ کہانی

ساتویں پیڈ

سلیم الحق حقی

شہلا بستر پر اُٹھ بیٹھی۔ اس بار بھی خواب کا سلسلہ ٹوٹتے ہی اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اُس نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھا۔ دھڑکنیں بُری طرح بے ربط ہو رہی تھیں لیکن اس بے ربطی میں بھی خوشگوار رت تھی۔ اُس نے اپنی ذہنی کیفیت سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ متاسف تھی... اور وہ تاسف ایسا ہی تھا جیسا کسی بھی خوبصورت خواب دیکھنے والے کو خواب ٹوٹنے پر ہوتا ہے۔

اُس نے خواب یاد کرنے کی کوشش کی لیکن یاد کرنے کو تھا ہی کیا۔ اُسے خواب تو نہیں کہا جا سکتا تھا، وہ تو بس ٹھہرے ہوئے پانی پر منجمد ایک عکس تھا ٹھہرا ہوا، ٹھٹھرا ہوا ایک منظر۔ اُس منظر میں وہ تھی اور ایک خوبرو نوجوان۔ وہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں جھانک رہے تھے اور گرد و پیش پر خوبصورت سا سکوت طاری تھا۔ ہر چیز جیسے ٹھہری ہوئی تھی۔ بس اُن دونوں کی آنکھوں کی کیفیات متحرک اور متلاطم تھیں۔ وہ جُدا جُدا، ایک دوسرے سے

سرورق کہانیاں

پہلا رنگ

سلیم الحق حقی

عزیز قدسی

تیسرا رنگ

صبا احمد

فاصلے پر ہونے کے باوجود ایک دوسرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔

وہ خواب ٹھہرے ہوئے پانی پر منجمد عکس تھا تو بیداری اس کنکر کی مانند تھی، جو اس پانی کو متلاطم کر کے عکس کو منتشر کر دیتا تھا۔ اب وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی تو سرشاری کی کیفیت کے سوا ذہن میں کچھ بھی نہیں اُبھر رہا تھا اور وہ کیفیت بھی محض ایک تاثر کی طرح تھی، جسے محسوس تو کیا جا سکتا ہے، تصور میں مجسم نہیں کیا جا سکتا... جسے دیکھا نہیں جا سکتا۔ تصور کے پردے پر کوئی تصویر نہیں تھی۔ وہ چہرہ بھی نہیں تھا جسے وہ خواب میں دیکھتی رہی تھی۔ بس اُن آنکھوں کی کیفیت اسے یاد تھی اور وہ آنکھیں...

یہ خواب وہ گزشتہ چند ہفتوں سے دیکھ رہی تھی، عموماً ایک دن چھوڑ کر۔ وہ خواب فقط ایک منظر تھا، جیسے متحرک سلو لائیڈ پر کوئی ساکت منظر... اسٹل۔ یہی وجہ تھی کہ اس خواب کے دورانیے کے متعلق وہ یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی پھر متعدد بار دیکھنے کے باوجود نہ اس میں کبھی کوئی کمی ہوئی تھی نہ اضافہ۔ خواب کی کیفیت ہمیشہ انتہائی خوبصورت اور نشہ آگیں ہوتی تھی۔ آنکھ کھلنے کے بعد وہ پہلے تاسف سے اور پھر ایک خلش سے دوچار ہوتی تھی۔ خلش کہ کوشش کے باوجود وہ اُس چہرے کو تصور کے پردے پر نہیں اُبھار پاتی تھی لیکن اس خلش کے ساتھ ایک طمانیت بھی تھی، وہ یہ کہ اسے یقین تھا وہ اس چہرے کو کہیں بھی دیکھے گی تو پہچان لے گی۔ اس یقین کا کوئی سبب، کوئی منطقی جواز نہیں تھا لیکن وہ یقین ایمان کی طرح مستحکم تھا۔ نہ جانے کیوں!

وہ پھر لیٹ گئی اور اُس نے تکیے پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

ہاں، وہ چہرہ جب بھی اُس کی نظر سے گزرا، وہ اسے پہچان لے گی، اور پھر... وہ نہ جانے کیوں شرما گئی۔

پاکستان اور سری لنکا کے درمیان ہونے والا وہ میچ ورلڈ کپ کا افتتاحی میچ تھا۔ حیدرآباد کے نیاز اسٹیڈیم میں تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی۔ پاکستانی ٹیم کے کپتان نے ٹاس جیت کر سری لنکا کو پہلے بیٹنگ دینے کا فیصلہ کیا تھا۔ سری لنکا نے مقررہ پچاس اوورز میں ۱۸۸ رنز بنائے تھے۔ اس کے بعد کھانے کا وقفہ ہوا تھا اور اب وقفے کے بعد پاکستان بیٹنگ کر رہا تھا۔

شکیل ظفر سبز رنگ کی پاکستانی کیپ پہنے پویلین سے نمودار ہوا۔ اُس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ یہ اُس کا پہلا ایک روزہ بین الاقوامی میچ تھا۔ ایسے موقعوں پر کھلاڑی عموماً نروس ہو ہی جاتے ہیں لیکن وہ بے حد پُراعتماد تھا۔ اس لیے وہ نروس تو نہیں تھا، البتہ اُس کے چہرے پر تشویش کی پرچھائیاں ضرور لرز رہی تھیں۔ اگر وہ عام حالات میں بیٹنگ کے لیے جاتا تو اُس کی یہ کیفیت نہ ہوتی لیکن پہلے ہی میچ میں ایسے موقع پر بیٹنگ کے لیے جانا، جب مسلسل دو گیندوں پر دو کھلاڑی آؤٹ ہو چکے ہوں اور ہیٹ ٹرک کا چانس ہو، مذاق نہیں ہوتا۔

وہ پاکستان کی اننگ کا دوسرا اوور تھا۔ رتنانائیکے نے اُس اوور کی چوتھی اور پانچویں گیند پر دو کھلاڑیوں کو آؤٹ کر کے دھماکا خیز صورتِ حال پیدا کر دی تھی۔ پاکستان کا اسکور صرف دو رنز تھا۔ تماشائیوں پر سکوت طاری تھا۔ وہ بے مدستی آمیز نگاہوں سے نئے بیٹسمین کو کریز کی طرف بڑھتے دیکھ رہے تھے۔ ہر ذہن میں ایک ہی سوال تھا۔ کیا وہ ہیٹ ٹرک بچا سکے گا؟ جبکہ وہ ہر اعتبار سے نیا کھلاڑی تھا۔ وہ اُس کی صلاحیتوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔ یہ اُس کا فرسٹ کلاس کرکٹ کا پہلا سیزن تھا۔ ورلڈ کپ سے پہلے ہونے والے وارم اپ میچوں میں اُس نے کراچی کی ٹیم کی طرف سے تہلکہ مچا دینے والی کارکردگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس نے ہر میچ میں سنچری بنائی تھی اور صرف اس کارکردگی کی بنیاد پر سلیکٹرز نے اُسے نہ صرف ورلڈ کپ اسکواڈ میں شامل کیا تھا بلکہ افتتاحی میچ میں بھی کھلا لیا تھا۔ وہ اُسے باؤلنگ کرتے دیکھ چکے تھے۔ وہ آف اسپنر تھا، کوئی غیر معمولی باؤلر نہیں تھا کم از کم ایسے باؤلر ٹیسٹ میچ میں کامیاب نہیں ہوتے لیکن اُس کی لائن اور لینتھ بہت اچھی تھی اور وہ فیلڈ کے مطابق بڑی ذہانت سے گیند کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ ایسے باؤلر ایک روزہ میچوں میں بیٹسمین کے لیے عذاب بن جاتے ہیں، جہاں اُن پر تیز اسکورنگ کا دباؤ ہوتا ہے اور سری لنکا کی بیٹنگ کے دوران ہوا بھی یہی کچھ تھا۔ اُس کی نپی تُلی باؤلنگ نے سری لنکا کے بیٹسمینوں کو عاجز کر دیا تھا۔ اس کی باؤلنگ کا تجزیہ اس کی کامیابی کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ دس اوورز ۲ میڈن اور ۱۷ رنز کے عوض ۲ وکٹیں لیکن تماشائی یہ اندازہ لگانے سے قاصر تھے کہ ہیٹ ٹرک چانس کے موقع پر کھیلنے کے لیے آنے والا وہ جواں سال بیٹسمین بیٹنگ کے سلسلے میں ان توقعات پر پورا اُتر سکے گا، جو سلیکٹرز نے اُس سے وابستہ کی ہیں۔ پہلا میچ اور اتنا شدید دباؤ... بیشتر تماشائیوں کی ہمدردیاں اُس کے ساتھ تھیں۔ وہ اس کے لیے دل ہی دل میں دُعا کر رہے تھے۔

کریز کی طرف بڑھتے ہوئے شکیل ظفر کی تشویش معدوم ہوتی گئی اور اعتماد بحال ہوتا گیا۔ اعتماد کی بحالی کے سلسلے میں بہت سے عوامل کام کر رہے تھے۔ قسمت اُس کے ساتھ تھی، یہ اُس کا فرسٹ کلاس کا پہلا سیزن تھا اور وہ بھی ابھی شروع ہی ہوا تھا۔ صرف ورلڈ کپ کے میچوں کی کارکردگی اُسے پاکستانی قومی ٹیم میں لے آئی تھی۔ اس میچ کے دوران باؤلنگ اور فیلڈنگ کے سلسلے میں اس کی کارکردگی بہت اچھی رہی تھی، چنانچہ تشویش کی کوئی بات نہیں تھی۔ قسمت ساتھ دیتی ہے تو سب کچھ ٹھیک ہی ہوتا ہے۔ وہ یہ سب سوچتا ہوا کریز کی طرف بڑھتا رہا۔ وہ کریز پر پہنچا تو اعتماد کے معاملے میں وہ کسی بھی سینئر کھلاڑی سے کمتر نہیں تھا۔

اُس نے امپائر سے گارڈ لیا اور فیلڈ کا جائزہ لیا۔ اب وہ رتنانائیکے کے اوور کی آخری گیند کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھا۔ اسی وقت نیاز اسٹیڈیم تالیوں سے گونج اُٹھا۔ تماشائی زبردست دباؤ میں کھیلنے کے لیے آنے والے نوآموز بیٹسمین کی حوصلہ افزائی کر رہے تھے۔ اُن تالیوں

نے اُس کا اعتماد کہیں کا کہیں پہنچا دیا۔

وہ گیند مڈل اینڈ آف پر تھی اور زمین پر پڑنے کے بعد اندر کی جانب مُڑ ہوئی تھی۔ اس نے بہت پہلے یہ بات دیکھ لی تھی۔ اس نے بیک فٹ پر جا کر پُراعتماد شاٹ کھیلا۔ رنتائیکے کا اوور مکمل ہو گیا تھا۔ اسٹیڈیم ایک بار پھر تالیوں سے گونج اُٹھا۔ تماشائیوں نے ہیٹ ٹرک ٹلنے پر اطمینان کا سانس لیا۔

شکیل ظفر بنیادی طور پر جارحانہ کھیل پسند کرتا تھا۔ اسی بنیاد پر اُسے ٹیم میں منتخب کیا گیا تھا۔ ورلڈ کپ میں اس کی کارکردگی پر تبصرہ کرتے ہوئے کرکٹ کے ایک مشہور نقاد نے لکھا تھا: میں جاوید میاں داد کے بعد شکیل ظفر کو پاکستانی کرکٹ کی اہم ترین دریافت قرار دوں گا۔ اُسے کھیلتے دیکھ کر ناقابلِ بیان خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ اُس کا اسٹائل بے حد خوبصورت ہے اور اس کے اسٹروکس اتنے دلکش ہوتے ہیں کہ بار بار دیکھنے کو جی چاہتا ہے۔ اُس کی پیش بینی کی صلاحیت غضب کی ہے اور سائٹ اتنی اچھی ہے کہ وہ گیند کو بہت پہلے دیکھ لیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اُسے شاٹ کھیلنے کے لیے اتنا وقت ملتا ہے کہ وہ سلو موشن میں شاٹ کھیل سکتا ہے۔ ماجد خان کے بعد یہ صلاحیت صرف شکیل ظفر میں نظر آئی ہے بلکہ میرا خیال ہے کہ اسے ماجد خان پر فوقیت حاصل ہے۔ ٹائمنگ اُس کے لیے کوئی مسئلہ نہیں، بلکہ اس کے ٹائمنگ کی درستی کا یہ حال ہے کہ وہ پوری قوت سے شاٹ کھیلتا ہے تو محض دفاعی انداز میں پُش کرتا نظر آتا ہے اور پُش کا وہ ایکشن مکمل ہونے سے پہلے ہی گیند باؤنڈری لائن کراس کر جاتی ہے۔ وہ مستقبل کا ایک عظیم کھلاڑی ہے جو پاکستان کے لیے بیش بہا سرمایہ ثابت ہوگا۔۔۔

اپنے پہلے ہی میچ میں شکیل ظفر نے کرکٹ کے اُس نقاد کی بات درست ثابت کر دی۔ وہ ابتدا ہی سے کھیل پر چھا گیا۔ دوسرے ہی اوور میں دو وکٹیں گرنے سے پاکستانی ٹیم جس دباؤ میں آئی تھی اُس نے اُسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اُس نے وکٹ کے چاروں طرف دلکش اسٹروک کھیلے۔ اُس کا اوپنر ساتھی سینئر کھلاڑی تھا۔ ابتدا میں اُس نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی کہ پہلے اننگ کو مستحکم کرنا چاہیے۔ ہدف دُشوار نہیں ہے لیکن وکٹیں بچانا ضروری ہے لیکن اُس کی نصیحتیں شکیل کے فطری کھیل کے سامنے بند نہ باندھ سکیں۔ فیلڈرز بوکھلا گئے تھے اور باؤلرز کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس طوفانی بیٹسمین کو کس طرح روکیں۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر شکیل کے ساتھی نے دفاعی حکمتِ عملی اختیار کی اور وہ کھیل میں محض تماشائی بن کر رہ گیا۔ اُس نے بھی اچھے اسٹروک کھیلے لیکن اس کی اننگ شکیل کی طوفانی اننگ کے سامنے دب کر رہ گئی تھی۔

تماشائی ہر اسٹروک پر دل کھول کر تالیاں بجا رہے تھے، داد دے رہے تھے۔

۲۵ ویں اوور کے خاتمے پر پاکستان کا اسکور ۱۵۴ تھا اور اس کے دو کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے۔ اوپنر نوید ۴۸، اور شکیل ۹۹، کے اسکور پر کھیل رہا تھا۔ پاکستان کو میچ جیتنے کے لیے ۱۵، اوورز میں ۳۵، رنز بنانا تھے اور ابھی آٹھ وکٹیں باقی تھیں، یہ وہ موقع تھا، جب کھیل کا ٹیمپو

میچ سے کچھ دیر پہلے کلب کے سکریٹری کو اس کی سکریٹری نے بتایا۔ "ایک صاحب اپنے دو دوستوں کے ہمراہ آپ سے ملنے کے لیے آئے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ وہ امپائر ہیں۔"

"اُسے بھگا دو۔ وہ شخص یقیناً جھوٹ بول رہا ہے۔" کلب سکریٹری نے جواب دیا۔

"آپ یہ بات اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہیں؟"

"میں اس فیلڈ میں ۳۰ سال سے ہوں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ کوئی امپائر پوری زندگی میں ایک دوست بھی نہیں بنا سکتا۔ جس کے ساتھ دو دوست ہیں وہ امپائر ہو ہی نہیں سکتا۔"

oooooooo

"جب امپائر نے اسمتھ کو ایل بی ڈبلیو قرار دیا تو اسمتھ نے کیا کہا؟"

"اور مجھے بے ہودہ الفاظ سنسر کرنا ہوں گے، ہے نا؟"

"بالکل۔"

"تب تو اُس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔"

پہلی بار سُست ہوا شکیل ظفر اپنے پہلے ہی میچ میں سنچری بنانے کا اعزاز حاصل کرنے والا تھا۔ اُسے ۹۹ کا خوفناک مرحلہ درپیش تھا، جو بڑے بڑے کھلاڑیوں کو چکرا دیتا ہے۔ میچ کے دوران وہ پہلی بار نروس ہوا تھا۔

شہلا اپنی سہیلی حنا کے ساتھ بیٹھی ٹی وی پر میچ دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں ہی کرکٹ کی رسیا تھیں۔ اکیلے میچ دیکھنے میں لطف نہیں آتا، اسی لیے حنا اُس روز صبح دس بجے شہلا کے گھر آ گئی تھی۔ میچ شروع میں دلچسپ تھا۔ اس میں سنسنی خیزی بھی تھی لیکن شکیل ظفر کے آتے ہی میچ یک طرفہ لگنے لگا تھا۔ سسپنس کا عنصر ختم ہو چکا تھا۔ اب میچ میں صرف ایک کشش رہ گئی تھی... دلکش بیٹنگ... شکیل ظفر بہترین کھیل کا مظاہرہ کر رہا تھا۔

وہ دونوں اس پر تبصرہ کرتی رہی تھیں۔ انھوں نے پہلے کبھی اُس کا نام نہیں سُنا تھا۔ ورلڈ کپ کے دوران سُنا بھی ہوگا تو اسے کوئی اہمیت نہیں دی ہوگی۔ اُس نے باؤلنگ بھی بہت اچھی کی تھی اسی لیے وہ یہ سمجھی تھیں کہ شاید اسے بحیثیت باؤلر ٹیم میں شامل کیا گیا ہوگا لیکن جب وہ ایک بحرانی لمحے میں چوتھے نمبر پر کھیلنے کے لیے آیا تو یہ بات یقینی ہو گئی کہ وہ بیٹسمین بھی ہے۔ پھر اُس کے کھیل نے اُسے ایک عظیم بیٹسمین ثابت کر دیا۔

وہ ٹی وی پر میچ دیکھتی رہیں اور ساتھ ہی ساتھ اُن کی زبان

بھی چلتی رہی۔

"کیا کوریج کرتے ہیں یہ لوگ" حنا نے حقارت سے کہا۔ "آسٹریلیا کے چینل نائن کی کوریج دیکھو..."

"خیر، کوریج تو بہت اچھی کی ہے۔" شہلا نے اس کی بات کاٹ دی۔ "ہر آؤٹ اور ہر اپیل کا ایکشن ری پلے کس کس زاویے سے دکھایا گیا ہے۔"

"خاک کوریج ہے۔ میں تو اس نئے کھلاڑی کی صورت دیکھنے کو مری جا رہی ہوں۔ ایک بار بھی اس کا کلوز اپ نہیں دکھایا گیا۔"

"ہاں، یہ بات تو ہے۔" شہلا نے آہستہ سے کہا۔ یہ تجسّس تو اُسے بھی تھا لیکن وہ ہمیشہ معقولیت کا راستہ اختیار کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ "لیکن حنا... یہ کوئی ڈراما تو ہے نہیں، جس میں ہیرو کے چہرے کے تاثرات دکھانے کے لیے کلوز اپ ضروری ہو۔"

"میں تمھیں خوب جانتی ہوں۔" حنا نے جل کر کہا۔ "اندر ہی اندر تم مجھ سے متفق ہو لیکن عادتاً بحث کرنا بھی ضروری ہے۔"

شہلا جھینپ گئی کیونکہ حنا نے درست ہی کہا تھا۔ اسی وقت شکیل ظفر نے چوکا مارا۔ "اچھا... میچ دیکھو خدا کے لیے۔" اس نے کہا۔ وہ ٹی وی اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئیں، جس پر اب اس چوکے کا ایکشن ری پلے دکھایا جا رہا تھا۔ بہت خوبصورت شاٹ تھا وہ۔

اب انھیں چائے کی طلب تھی۔ میچ میں دلچسپی رہی بھی نہیں تھی۔ شہلا اُٹھ کھڑی ہوئی کہ جا کر چائے بنا لائے۔ حنا بہت دیر سے چائے کو کہہ رہی تھی لیکن میچ چھوڑ کر بھلا کہیں اُٹھا جاتا ہے۔ اب البتہ معاملہ مختلف تھا۔ ۴۵ ویں اوور میں پاکستان کا اسکور ۱۴۲ تھا، آٹھ وکٹیں باقی تھیں، ۵ اوورز میں ۴۷ رنز بنانا آٹھ وکٹوں کے ہوتے ہوئے کچھ مشکل نہیں تھا۔ پاکستان یقینی طور پر میچ جیت چکا تھا۔ اب دلچسپی کی کوئی بات تھی تو وہ شکیل ظفر کی سنچری تھی لیکن اس میں ابھی دیر تھی کیونکہ اس کا اسکور ۸۷ تھا اور وہ اس مرحلے پر جلد بازی نہیں کر سکتا تھا۔

"ارے، کہاں چلیں تم؟" حنا نے اسے اُٹھتے دیکھ کر ٹوکا۔

"تمھارے لیے چائے بنانے۔ کب سے جان کھا رکھی ہے۔"

"ٹھہرو، میں بھی چلتی ہوں۔"

'واٹ اے گریٹ شاٹ'، اسی وقت کمنٹیٹر افتخار کی آواز اُبھری۔ 'ایبسولوٹلی، اِٹ از دی شاٹ آف دی ڈے۔'

وہ پھر بیٹھ گئیں۔ اس کے بعد چائے کا پروگرام دھرا رہ گیا۔ وہ اُٹھ نہ سکیں۔ شکیل ظفر نے تین گیندوں پر مسلسل تین چوکے لگا کر اپنا اسکور ۹۹ تک پہنچا دیا تھا۔ اب میچ میں سنسنی خیزی کا عنصر شامل ہو چکا تھا۔ دوسری طرف شکیل ظفر کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ نروس ہو گیا ہے۔

اس کے بعد کے لمحے کشیدگی اور کھنچاؤ کے لمحے تھے۔ نوید اور شکیل کے درمیان کانفرنس ہوئی۔ شاید وہ آپس میں کچھ طے کر رہے تھے، غالباً سنگل لینے کے بارے میں۔ سری لنکا کے کپتان نے یہ بات بھانپ لی تھی۔ وہ فیلڈرز کو قریب لے آیا تھا۔ پہلی بار کلوز اِن فیلڈرز کے ذریعے وہ بیٹسمینوں پر دباؤ ڈال رہا تھا۔ تماشائی بھی خاموش بیٹھے تھے۔

۴۶ ویں اوور کی پہلی گیند نوید کو کھیلنا تھی۔ اُس نے لیگ سائڈ پر فلک کیا اور رن بنانے کے لیے بھاگا۔ شکیل نے بھی کریز چھوڑ دی تھی۔ اُسی وقت نوید نے کن انکھیوں سے ایک فیلڈر کو گیند پر جھپٹتے دیکھا اور اُسے احساس ہو گیا کہ یہ رن مخدوش ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ "گو بیک" چیختے ہوئے پلٹا اور تیزی سے اپنی کریز میں واپس آ گیا۔ اسٹرائیکرز اینڈ کی طرف بھاگتے ہوئے شکیل نے اُسے پلٹتے دیکھا۔ وہ ایک ثانیے کے لیے ٹھٹکا۔ اُس وقت تک فیلڈر گیند فیلڈ کر چکا تھا اور تھرو کے ایکشن میں آ رہا تھا۔ شکیل تیزی سے پلٹا لیکن اُسے احساس تھا کہ فاصلہ زیادہ ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوا کہ وہ نان اسٹرائیکر اینڈ کی طرف بھاگ تو رہا تھا لیکن انتہائی بے دلی سے، اس کی رفتار بھی کم تھی۔

اگر وہ تھرو ڈائریکٹ وکٹوں پر لگتی تو وہ یقیناً آؤٹ ہو گیا ہوتا لیکن خوش قسمتی سے ایسا نہیں ہوا، اور وہ بچ گیا۔

دونوں بیٹسمین ایک بار پھر پچ کے وسط میں کھڑے باتیں کرتے نظر آئے۔ شاید اُنھیں احساس ہو گیا تھا کہ دشوار قسم کے سنگل رن لینا، اُن کے لیے مخدوش ثابت ہو گا۔ ایک تو وہ پہلی بار ایک ساتھ کھیل رہے تھے۔ رننگ بٹوین دی وکٹ کے لیے جو انڈر اسٹینڈنگ ضروری ہوتی ہے، وہ ان کے مابین نہیں تھی۔ بہر حال، اس اننگ میں ان کا ساتھ ۳۲ اوور کا تھا۔ اتنے عرصے میں انڈر اسٹینڈنگ ڈیولپ ہو جاتی ہے لیکن یہاں صورتِ حال یہ تھی کہ اس اننگ میں چوکوں کی کثرت کی وجہ سے وکٹوں کے درمیان دوڑنے کا موقع ہی کم ملا تھا۔

نوید نے ایک بار پھر شاٹ کھیلا لیکن اُس نے رن بنانے کی کوشش نہیں کی۔ یہ بات ثابت ہو گئی کہ اُنھوں نے خطرناک سنگل لینے کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ دونوں بہت محتاط تھے اور شدید دباؤ میں تھے۔ کرکٹ میں ایسے لمحے بہت خطرناک ہوتے ہیں۔ مضبوط ترین پوزیشن کے باوجود بعض اوقات چند لمحوں کا دباؤ پوری ٹیم کو لے بیٹھتا ہے۔ ایک وکٹ نکلنے کے بعد بسا اوقات مضبوط سے مضبوط بیٹنگ لائن اپ دیکھتے ہی دیکھتے ڈھیر ہو جاتی ہے۔ یہ احساس بھی یقیناً دونوں بیٹسمینوں کے اعصابی دباؤ میں اضافہ ہی کر رہا ہو گا۔

نوید نے وہ پورا اوور میڈن کھیلا۔ اس سے اگلا اوور شکیل نے بھی میڈن کھیلا۔ اس اوور میں وہ ایک بار آؤٹ ہوتے ہوتے بچا۔ گیند وکٹوں کے ذرا اوپر سے... تقریباً بیلز کو چھوتی ہوئی گزر گئی تھی۔ اس سے اگلے اوور میں نوید نے ایک رن بنایا۔ اب اس کا اسکور ۴۹ تھا۔ شکیل مسلسل تین گیندوں پر بیٹ ہوا لیکن قسمت اب بھی اُس کے ساتھ تھی۔ اگلی گیند پر اُس نے اسکوائر لیگ کی جانب زوردار شاٹ کھیلا۔ شارٹ لیگ کے فیلڈر نے ڈائیو کرتے ہوئے گیند کو روکنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ وہ شکیل ظفر کا ۱۰۰ واں رن تھا۔

کمنٹیٹر پُرجوش آواز میں اس کی اننگ کی تعریف کر رہا تھا۔ ہر اسٹینڈ

میں تماشائی کھڑے ہو کر تالیاں بجا رہے تھے۔ کیمرا حرکت میں تھا اور ٹی وی اسکرین پر اسٹینڈز دکھائی دے رہے تھے پھر دوسرے کیمرے نے اُس منظر پر شکیل ظفر کا چہرہ اُبھارا، وہ کلوزاپ تھا... ٹی وی اسکرین پر شکیل ظفر کا پہلا کلوزاپ۔ اُس کا چہرہ فرطِ جوش اور مسرت سے تمتما رہا تھا۔ وہ بیٹ اُٹھا کر تماشائیوں کی داد و تحسین کا جواب دے رہا تھا اور اُس کی آنکھیں...

شہلا مبہوت ہو کر رہ گئی۔ اُس کی نظریں ٹی وی اسکرین پر جمی ہوئی تھیں، اُس کا ذہن بس ایک ہی جملے کی تکرار کر رہا تھا... یہ وہی چہرہ ہے... یہ وہی چہرہ ہے... یہ...

حِنا حیرت سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ اُسے حقیقتِ حال کا علم نہیں تھا۔ شہلا کے چہرے کے تاثرات سے اُسے یہ اندازہ تو ہو گیا تھا کہ وہ شکیل ظفر کو جانتی ہے لیکن کیسے جانتی ہے... جانتی ہے تو اُس نے کبھی اُس کے متعلق گفتگو کیوں نہیں کی... ان سوالوں کا اُس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا، جواب صرف شہلا ہی دے سکتی تھی۔

کھیل دوبارہ شروع ہو رہا تھا۔ اسکرین پر اب وہ چہرہ نہیں تھا لیکن شہلا اب بھی ٹکٹکی باندھے ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ "شہلا!" حِنا نے اُسے پکارا۔

شہلا نے چونک کر اُسے دیکھا۔ وہ سمجھ گئی کہ اب اُسے سب کچھ بتانا پڑے گا۔ بتانے میں کوئی ہرج بھی نہیں تھا۔

پشاور، ۱۷ اکتوبر (اسٹاف رپورٹر) ورلڈ کرکٹ کپ کے سلسلے میں پول 'بی' کی ٹیمیں ٹورنامنٹ کا پہلا مرحلہ مکمل کر چکی ہیں۔ آج یہاں انگلینڈ اور سری لنکا کے میچ کے بعد صورتِ حال یہ ہے کہ پول 'بی' کی تمام ٹیمیں آپس میں ایک ایک میچ کھیل چکی ہیں۔ ابھی اُنھیں آپس میں ایک ایک میچ مزید کھیلنا ہو گا، اس کے بعد یہ پتا چلے گا کہ کون سی دو ٹیمیں سیمی فائنل کھیلیں گی۔ آج کے میچ میں انگلینڈ نے سری لنکا کو شکست دے کر ٹورنامنٹ میں پہلی فتح حاصل کی۔ سری لنکا کی ٹیم اب تک کوئی میچ نہیں جیت سکی۔ (تفصیلی خبر صفحہ نمبر ۔ پر ملاحظہ فرمائیں)

اب تک پوائنٹس کے اعتبار سے پول 'بی' کی ٹیموں کی پوزیشن یہ ہے:

ٹیم	کتنے میچ کھیلے	کتنے میچ جیتے	کتنے میچ ہارے	پوائنٹ	فی اوور رن بنانے کا اوسط
ویسٹ انڈیز	۳	۳	صفر	۶	۴.۲۶
پاکستان	۳	۲	۱	۴	۴.۵۷
انگلینڈ	۳	۱	۲	۲	۳.۶۳
سری لنکا	۳	صفر	۳	صفر	۴.۰۵

اُس دن کے بعد شہلا نے کبھی وہ خواب نہیں دیکھا حالانکہ ہر رات وہ اُس کے بارے میں سوچتی۔ وہ خواہش کرتی کہ وہ پھر وہی خواب دیکھے لیکن خواہشیں اس طرح کہاں پوری ہوتی ہیں۔ اُس کی

میچ انتہائی بور تھا۔ گزشتہ ایک گھنٹے سے ایک رن بھی نہیں بن سکا تھا۔ اچانک ایک بیٹسمین نے زوردار اسٹریٹ ڈرائیو کیا۔ گیند مڈ آن پر فیلڈ ہوئی۔ کوئی رن نہیں بنا۔

تماشائیوں میں سے کسی نے چیخ کر کہا "اے بھائی! ذرا احتیاط سے، ورنہ ہمیں اسکورر کو جگانا پڑے گا۔"

△△△△△△△△△△△△△

میچ بے حد بور تھا اور گرمی شدید تھی۔ تماشائی بُری طرح اونگھ رہے تھے۔ مہمان ٹیم کے ساتھ آئے ہوئے ایک تماشائی نے مقامی تماشائی کو جھنجوڑ جھنجوڑ کر جگایا۔

"تمہاری ٹیم نے کبھی کوئی رن بنایا ہے؟" اس نے پوچھا۔

"پتا نہیں، میں تو یہاں صرف دو سال سے آ رہا ہوں۔"

بے تابی کا وہی حال تھا، جو کسی ایسے شخص کا ہو سکتا ہے جس نے اتفاقیہ طور پر کوئی خواب دیکھا ہو اور اچانک اُسے تعبیر کا امکان نظر آ جائے۔ وہ شکیل ظفر کو دیکھنے اُس سے ملنے کو بے تاب تھی۔ یہ کیسی ناقابلِ یقین بات تھی کہ وہ ایک ایسے شخص کو خواب میں دیکھتی رہی تھی جسے اُس نے حقیقت میں کبھی نہیں دیکھا تھا لیکن وہ شخص محض اُس کا خیال نہیں تھا، تصور نہیں تھا بلکہ درحقیقت وجود رکھتا تھا۔ اس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ یہ مشیت کا کوئی کھیل ہے۔ جب اُس نے شکیل کو حقیقت میں نہیں دیکھا تھا، تب بھی اس کے دل میں اُس بے نام، بے چہرہ شخص کے لیے لطیف جذبات تھے۔ وہ اُس سے ایک عجیب سا تعلق محسوس کرتی تھی۔ وہ کوئی ناپختہ ذہن لڑکی نہیں تھی، بی اے فائنل کی طالبہ تھی۔ جذبات کے دھارے میں بہنے کے بجائے اُس نے صورتِ حال کا تجزیہ کیا تھا۔ دل کے تقاضے بھی ملحوظ رکھے تھے اور ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر بھی پرکھا تھا۔ خدا پر اور اُس کی مشیت پر اُس کا پختہ ایمان تھا۔ بالآخر وہ اس نتیجے پر پہنچی تھی کہ اس کا خواب بے معنی نہیں تھا۔

کچھ یوں بھی تھا کہ اُسے سوچنے کے لیے بہت زیادہ وقت ملا۔ اُس نے شکیل کو ۸ تاریخ کو دیکھا تھا۔ ۲۰ تاریخ سے پہلے شکیل سے ملنے کا کوئی امکان نہیں تھا کیونکہ اُس وقت تک پاکستان کے تمام میچ دوسرے شہروں میں ہونا تھے۔ ۲۰ تاریخ کو پاکستان اور انگلینڈ کا میچ کراچی میں ہونا تھا۔ اس میچ کے لیے حِنا نے ٹکٹ منگوا لیے تھے لیکن شہلا یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ شکیل سے مل بھی سکے گی یا نہیں۔ بہرحال، یہ تو مقدر کا کھیل تھا۔ وہ خواب اور اُس کے بعد تعبیر... یہ سب اس کے نزدیک قدرت کے تائیدی اشارے تھے۔ اس اعتبار سے اُس کی شکیل سے ملاقات یقینی تھی۔

اُس نے حِنا کو سب کچھ بتا دیا تھا۔ اس کے بعد وہ دونوں

تقریباً ہر روز گھنٹوں اس موضوع پر گفتگو کرتی رہی تھیں۔ ۸۔ تاریخ سے ۱۹۔ تاریخ تک سہلا کو خود کو پرکھنے کا بہت اچھا موقع ملا۔ اس کو اندازہ ہوگیا کہ شکیل کے سلسلے میں اس کے جذبات سطحی نہیں ہیں۔ وہ شکیل کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی تھی لیکن اُسے یقین ہوگیا تھا کہ قدرت نے اُن دونوں کو ایک دوسرے کے لیے منتخب کیا ہے ورنہ لوگ اس انداز میں ایک دوسرے کو کہاں ملتے ہیں۔ وہ سب کچھ ناقابلِ یقین سہی لیکن حقیقی تھا... بے حد حقیقی۔

اب وہ بے چینی سے ۲۰۔ تاریخ کی منتظر تھی۔ وہ جیتے جاگتے شکیل ظفر کو دیکھنا چاہتی تھی لیکن یہ سوچ کر اُسے ہنسی آجاتی کہ ممکن ہے، شکیل اس کے وجود تک سے بے خبر ہو پھر وہ سوچتی کہ ممکن ہے، وہ بھی اُس کی طرح اُسے خواب میں دیکھتا رہا ہو لیکن یہ ضروری نہیں تھا۔

بہرحال اُس نے اس یادگار موقع کے لیے نئی آٹوگراف بک خریدکر اس پر اپنا نام اور پتا بڑے بڑے حروف میں لکھ لیا تھا۔ ۱۹۔ تاریخ کی رات وہ ٹھیک طرح سے سو نہیں سکی۔

کراچی کے نیشنل اسٹیڈیم میں پاکستان اور انگلینڈ کے درمیان میچ شروع ہونے والا تھا۔ تماشائیوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھی۔ بیشتر اسٹینڈز بھر چکے تھے لیکن باہر جنرل انکلوژر کے ٹکٹ کے لیے تماشائیوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ اس موقع پر شہر کے تمام علاقوں سے اسٹیڈیم کے لیے خصوصی بسیں چلائی گئی تھیں۔ حفاظتی انتظامات بھی بے حد سخت تھے۔

انگلینڈ نے ٹاس جیتا اور پاکستان کو پہلے کھیلنے کی دعوت دی۔ پاکستان کے اوپنرز نے بے حد اعتماد کے ساتھ اننگ شروع کی۔ اگرچہ اسکور سست رفتاری سے بڑھ رہا تھا تاہم یہ بھی بڑی بات تھی کہ ۲۰۔ اوورز تک کوئی وکٹ نہیں گری تھی۔ دونوں اوپنرز بے حد محتاط تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستانی ٹیم ہدف سامنے رکھ کر کھیلنے اور ایسی صورت میں کسی بھی ہدف کو عبور کرنے کی غیر معمولی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس اعتبار سے بعد میں بیٹنگ کرنا اُسے راس آتا ہے، اسی لیے انگلینڈ کے کپتان نے ٹاس جیت کر بلا جھجک فیلڈنگ کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

۲۰۔ اوورز میں پاکستانی اوپنرز نے ۶۷ رنز بنائے تھے۔ یہ بات واضح تھی کہ اتنے کم اسکور کا سبب صرف بیٹسمینوں کی محتاط روی نہیں ہے انگلینڈ کے باؤلرز بہترین لائن اور لینتھ سے اور اپنی فیلڈ کے مطابق باؤلنگ کر رہے تھے۔ دوسری طرف اُن کی فیلڈنگ بے داغ تھی۔ اپنی اچھی فیلڈنگ سے اُنھوں نے پاکستان کو اب تک کم از کم ۳۵۔ رن سے محروم کردیا تھا۔

۲۰۔ اوورز کے بعد پاکستانی اوپنرز نے تیور بدلے اور اُنھوں نے اسٹروکس کھیلنا شروع کردیے۔ دونوں بیٹسمین پوری طرح سیٹ ہوچکے تھے لیکن انگلینڈ کے فیلڈرز اُنھیں حیران کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ غیر معمولی فیلڈنگ کا مظاہرہ کر رہے تھے، اس کے باوجود رن بننے کی رفتار تیز ہوگئی تھی کیونکہ دونوں بیٹسمین اب خطرہ مول لینے کے لیے تیار تھے۔ ۲۹ویں اوور میں پہلی وکٹ گری۔ اس وقت پاکستان کا اسکور ۱۰۱ تھا۔ ۳۴ ویں اوور میں دوسری وکٹ گری۔ دوسرا اوپنر آؤٹ ہوا تھا۔ اُس وقت کُل اسکور ۱۶۲ رن تھا۔ رن بنانے کی شرح ۴ رن فی اوور ہوچکی تھی۔ آخری دس اوور باقی تھے اور آٹھ وکٹیں۔ اس صورتِ حال میں یہ کہا جاسکتا تھا کہ پاکستان یقینی طور پر ۲۵۰۔ رنز بنالے گا۔

یہ وہ موقع تھا جب شکیل ظفر کھیلنے کے لیے آیا۔ اسٹیڈیم تالیوں سے گونج اُٹھا تھا۔ شکیل اب کوئی گمنام کھلاڑی نہیں تھا۔ ورلڈ کپ کے صرف تین میچوں نے اُسے شہرت کی بلندی پر پہنچا دیا تھا۔ اُس نے تینوں میچوں میں سنچری بنائی تھی۔ وہ دُنیا کا پہلا کھلاڑی تھا، جسے اپنے کیریئر کے پہلے تین ایک روزہ میچوں میں تین سنچریاں بنانے کا اعزاز حاصل ہوا تھا۔ وہ تالیوں کی گونج میں کریز پر پہنچا اور اُس نے امپائر سے گارڈ لیا۔ پہلی گیند مڈل اسٹمپ پر پڑ کر لیگ کی طرف گھومی۔ اُس نے گلانس کرنے کی کوشش کی لیکن گیند بیٹ پر نہیں آئی۔ دوسری گیند کو اُس نے اسکوائر کٹ کیا، گیند فیلڈر کے پاس گئی، رن بنانے کا کوئی موقع نہیں تھا۔ تیسری گیند پر وہ بال بال بچا۔ گیند بیٹ کے بہت قریب سے ہوتی ہوئی وکٹ کیپر کے پاس گئی۔ اگلی گیند پر اُس نے زوردار کور ڈرائیو کھیلا لیکن فیلڈر موجود تھا، وہ رن نہ لے سکا۔ یوں وہ اوور ختم ہوگیا۔ اگلے اوور کی پہلی گیند پر منصور نے ایک رن بنایا۔ اب شکیل پھر باؤلنگ کا سامنا کر رہا تھا۔ اگلی تین گیندیں وہ بیٹ پر نہ لے سکا۔ اُسے اندازہ ہوگیا کہ ٹائمنگ میں گڑبڑ ہے۔ گیند رُک کر آرہی ہے اور وہ قبل از وقت شاٹ کھیل رہا ہے۔ اُس نے ٹائمنگ درست کرنے کی کوشش کی لیکن وہ دہل کر رہ گیا۔ اس بار اُس نے شاٹ لیٹ کھیلے تھے۔ دونوں بار گیند وکٹوں کے بہت قریب سے گئی تھی۔

۴۱ اوور، اسکور ۱۶۳ رنز، دو کھلاڑی آؤٹ۔ رن ریٹ ۴ سے کم ہوگیا تھا۔

اس اوور کے بعد منصور اور وہ کچھ دیر کانفرنس کرتے رہے۔ منصور اُسے کچھ سمجھا رہا تھا، حوصلہ بڑھا رہا تھا۔ شکیل جانتا تھا کہ آخری ۹ اوورز بہت اہم ہیں۔ ان میں زیادہ سے زیادہ اسکور کرکے ہی میچ جیتا جاسکتا ہے۔ تیز کھیلنا بہت ضروری تھا۔ اس کے علاوہ سنگلز بھی بکرنا تھے۔ اُس نے عزم کیا کہ اس اوور میں وہ رن ریٹ ضرور بڑھائے گا۔

۴۲ویں اوور میں بھی منصور نے پہلی گیند پر سنگل لیا۔ شکیل نے وہ اوور بھی پچھلے اوور کی طرح کھیلا۔ درحقیقت اُس سے کھیلا ہی نہیں جارہا تھا۔ انگلینڈ کی عمدہ فیلڈنگ کے پیشِ نظر رن ملنے کی یہی ایک صورت تھی کہ گیپ میں شاٹ بنا کر کھیلے جائیں لیکن اسٹروک میکنگ کا انحصار غیر معمولی ٹائمنگ پر ہوتا ہے، جب کہ وہ ٹائمنگ سے یکسر محروم تھا۔ اس اوور کی آخری گیند پر اُس نے کور ڈرائیو کھیلنے کی کوشش کی، لیکن گیند ٹھیک طرح سے بیٹ پر نہیں آئی اور کنارہ لے کر سلپ کے اُوپر سے ہوتی ہوئی تھرڈ مین کی پوزیشن پر گئی۔ ایک رن ملا۔

اور اب وہ سپر بیٹنگ اینڈ پر تھا۔ تین اوورز میں وہ اُس کا پہلا رن تھا۔

۴۲ اوورز، اسکور ۱۶۵ رنز، دو کھلاڑی آؤٹ۔ رن ریٹ کچھ اور کم ہوگیا۔ اب دونوں بیٹسمین زبردست دباؤ میں تھے۔ منصور بھی اَپ سیٹ ہوگیا تھا۔

۴۳ واں اوور اور تباہ کُن ثابت ہُوا۔ اس اوور میں وہ کوئی گیند بیٹ پر نہ لے سکا۔ کئی بار گیند وکٹوں کے اتنے قریب سے گئی کہ بیلز گرنے کی کسر رہ گئی۔ یہ اُس کی خوش قسمتی تھی کہ وہ اس اوور میں آؤٹ نہیں ہُوا۔ پہلی بار اُسے احساس ہُوا کہ انفرادی خوش قسمتی ٹیم کے لیے بدقسمتی بھی ثابت ہو سکتی ہے۔ اُس وقت اس کا آؤٹ ہونا ٹیم کے حق میں بہتر ثابت ہو سکتا تھا۔ اُس نے قسمت کے اس پہلو پر غور کیا لیکن ایک لمحے کے لیے بھی اُس کے ذہن میں یہ خیال نہیں آیا کہ وہ کھیلنے میں ناکام ہو رہا ہے تو کم از کم آؤٹ ہونے کی کوشش ہی کرلے۔ اس کے ذہن میں تو ایک ہی خیال تھا... اسے فارم میں واپس آنے کے لیے جدوجہد کرنا تھی۔ کرکٹ میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی کوئی دن کسی مخصوص کھلاڑی کے لیے سازگار ہوتا ہے۔ اُس روز وہ کھلاڑی کوئی بھی کارنامہ انجام دے سکتا ہے۔ کبھی کبھی معاملہ برعکس بھی ہوتا ہے۔ اُسے احساس تھا کہ وہ اس کا دن نہیں ہے... اُس کے لیے ناسازگار دن ہے لیکن وہ ہمت نہیں ہارنا چاہتا تھا۔

۴۳ ویں اوور کے خاتمے پر، جو کہ میڈن تھا، پاکستان کا اسکور دو وکٹوں کے نقصان پر ۱۶۵ رنز تھا۔ رن بنانے کی شرح ۳.۸۴ رنز فی اوور رہ گئی تھی۔ دونوں بیٹسمین دیر تک پچ کے وسط میں کھڑے باتیں کرتے رہے۔ وہ واضح طور پر پریشان نظر آ رہے تھے۔

۴۴ ویں اوور کے شروع میں ہی اندازہ ہوگیا کہ منصور زبردست دباؤ میں ہے۔ شاید اُس نے طے کرلیا تھا کہ اب سنگلز پر انحصار کرنے کے بجائے صرف خود پر انحصار کرتے ہوئے چوکے چھکے لگانے کی کوشش کرنا ہوگی لیکن صورتِ حال کی ابتری کی وجہ سے وہ اپنا ارتکاز کھو بیٹھا تھا۔ اس نے پہلی گیند مِس کی۔ دوسری کو اُس نے پُل کیا اور اسکوائر لیگ باؤنڈری کے قریب کیچ ہوگیا۔ وہ شاٹ اُس نے بے حد مایوسی اور جھنجلاہٹ کے عالم میں کھیلا تھا۔ اس دوران کریز کراس ہو چکی تھی اور شکیل بیٹنگ اینڈ پر پہنچ چکا تھا۔

شکیل کو احساس تھا کہ منصور جس دباؤ کا شکار ہُوا ہے، وہ اس کا پیدا کردہ تھا۔ یوں وہ اور زیادہ دباؤ میں آگیا۔

کرکٹ ٹیم گیم ہے لیکن بعض اوقات ایک کھلاڑی پوری ٹیم کو لے بیٹھتا ہے۔ سراسیمگی ٹیموں میں چھوت کے مرض کی طرح پھیلتی ہے۔ شکیل پر موجود دباؤ اُس کے ساتھی بیٹسمین کو... اور ڈریسنگ رُوم میں بیٹھے کھلاڑیوں کو منتقل ہُوا۔ یکے بعد دیگرے چار کھلاڑی رن آؤٹ ہوئے۔ ۴۹ ویں اوور میں خود شکیل بھی رن آؤٹ ہوگیا۔ اُس نے دس اوورز میں صرف ۸ رنز بنائے تھے۔ ۵۰ اوورز مکمل ہونے پر پاکستان کا اسکور ۹ وکٹوں کے نقصان پر ۱۸۹ رنز تھا۔ شکیل کی آمد کے بعد آخری دس اوورز میں پاکستان کے اسکور میں صرف ۲۷ رنز کا اضافہ ہُوا تھا جب کہ سات وکٹیں گری تھیں۔ صورتِ حال بے حد مایوس کُن تھی۔ میچ پاکستان کے ہاتھ سے تقریباً نکل چکا تھا۔

لنچ کے وقفے کے بعد انگلینڈ نے بیٹنگ شروع کی۔ انگلینڈ کے اوپنرز کا انداز ابتدا ہی سے جارحانہ تھا۔ اُن کا ہدف دُشوار نہیں تھا، اسی لیے اُن کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اور وہ چڑھ کر کھیل رہے تھے۔ اُنھوں نے ابتدا ہی میں پاکستانی فاسٹ باؤلرز کی زبردست پٹائی کی۔ ۱۸ ویں اوورز کے اختتام پر اُنھوں نے بغیر کسی نقصان کے ۸۸ رنز بنائے تھے گویا اُنھیں میچ جیتنے کے لیے ۳۲ اوورز میں ۱۰۲ رنز بنانے تھے اور یہ کچھ مشکل نہیں تھا کیونکہ اُن کے تمام کھلاڑی ابھی باقی تھے۔

۱۹ ویں اوور میں شکیل کو باؤلنگ کے لیے لایا گیا۔ اس نے اپنی بیٹنگ میں ناکامی کی تلافی کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ دوسری طرف سے لیفٹ آرم اسپنر قاسم بھی بہت اچھی باؤلنگ کر رہا تھا۔ بیٹسمین گویا بندھ کر رہ گئے تھے لیکن میچ اب بھی بچنا دُشوار معلوم ہو رہا تھا۔ ایک تو ہدف دُشوار نہیں تھا، دوسرے اوپنرز نے بہت اچھا اور تیز اسٹارٹ دیا تھا۔ شکیل نے اپنے دس اوورز مکمل کیے تو انگلینڈ کا اسکور ۳۷ اوورز میں ۱۲۹ رنز تھا اور اس کے ۶ کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے۔ اب اُنھیں میچ جیتنے کے لیے

فرسٹ کلاس کرکٹ کے ایک میچ میں امپائر مسلسل تماشائیوں کی تنقید کا نشانہ بن رہا تھا۔ اس کے ہر فیصلے کو ہُوٹ کیا جاتا۔ تنگ آکر وہ گراؤنڈ سے باہر آیا اور تماشائیوں کے درمیان بیٹھ گیا۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" ایک تماشائی نے پوچھا۔

"مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ یہاں بیٹھ کر زیادہ درست فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔" امپائر نے جواب دیا۔

* * * * * * * * * * * *

دیہات میں کھیلے جانے والے ایک میچ میں ایک بیٹسمین کو آؤٹ دے دیا گیا تو اُسے بہت زور کا غصہ آیا۔ واپس جاتے ہوئے اُسے ایک شخص نظر آیا، جو سفید کوٹ پہنے ہوئے تھا۔

"میرا خیال ہے جناب، آپ کو چشمے کی شدید ضرورت ہے۔" اس نے سفید کوٹ والے سے کہا۔

"آپ کو ہوگی چشمے کی ضرورت۔ میں تو آئس کریم بیچ رہا ہوں۔" جواب ملا۔

۱۴ اوورز میں ۶۱ رنز کی ضرورت تھی اور ان کے چار کھلاڑی باقی تھے چھ کھلاڑی آؤٹ ہونے کی صورت میں مطلوبہ اوسط بظاہر آسان نہیں تھا لیکن ایک بات اُن کے حق میں جاتی تھی۔ اُن کا اوپنر کرس براڈ اب تک کریز پر موجود تھا۔ اُس کا انفرادی اسکور ۹۳، تھا۔ پاکستانی کھلاڑیوں کو بھی اس بات کا احساس تھا کہ اگر وہ کرس براڈ کو جلد ہی آؤٹ کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تو یقینی طور پر میچ ہار جائیں گے۔

شکیل کی باؤلنگ کا تجزیہ اس بات کا گواہ ہے کہ وہ باؤلنگ کے دوران کھیل پر چھایا رہا تھا۔ اُس نے دس اوورز پھینکے، جن میں سے دو میڈن رہے اور اُس نے ۱۹ رنز کے عوض چار وکٹیں حاصل کی تھیں۔ اُس کے باؤلنگ کے دوران ۱۹ اوورز میں صرف ۴۱ رنز بنے تھے اور انگلینڈ کو چھ وکٹوں کا نقصان اُٹھانا پڑا تھا۔

فاسٹ باؤلرز کے آتے ہی کھیل کا نقشہ پھر بدلا۔ بالآخر انگلینڈ نے ۴۸ ویں اوور میں مطلوبہ اسکور کر کے وہ میچ چار وکٹ سے جیت لیا تھا۔ کرس براڈ ۱۰۹ رنز بنا کر ناٹ آؤٹ رہا تھا۔

میچ ختم ہو چکا تھا۔ تماشائیوں نے میچ ختم ہونے سے پہلے ہی باہر نکلنا شروع کر دیا تھا۔ میچ کا انجام یقینی طور پر انگلینڈ کے حق میں تھا، اسی لیے تماشائیوں میں بددلی پھیلی ہوئی تھی۔ میچ کے اختتام تک تمام اسٹینڈز تقریباً آدھے خالی ہو چکے تھے۔ مین آف دی میچ ایوارڈ کی تقریب شروع ہوئی تو اسٹیڈیم میں زیادہ تماشائی نہیں تھے۔

شہلا کے لیے بھی وہ دن مایوس کن تھا۔ شکیل کی بیٹنگ بے حد مایوس کن تھی بلکہ درحقیقت بہت اچھی باؤلنگ کے باوجود پاکستان کی شکست کا ذمے دار وہی تھا۔ شہلا کے دل میں طرح طرح کے خیال آرہے تھے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ شکیل کے لیے ناساز گار ثابت ہو رہی ہو۔ وہ اضطراب کے عالم میں اپنی آٹوگراف بک کو اِدھر اُدھر کرتی رہی، ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں۔ اُسے شکیل سے آٹوگراف بھی لینا تھا لیکن وہ عام شائقین کے انداز میں آٹوگراف نہیں لینا چاہتی تھی۔ یہ کیا کہ وہ اِس طرف... باؤنڈری لائن کے قریب فیلڈ کرنے آئے اور وہ جنگلے میں سے آٹوگراف بک اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے ملتجیانہ لہجے میں کہے... ”آٹوگراف پلیز...“ وہ تو اُس سے خصوصی طور پر آٹوگراف لینا چاہتی تھی لیکن بظاہر اس کا کوئی امکان نظر نہیں آرہا تھا۔ اسٹیڈیم پوری طرح سے تبدیل کر دیا گیا تھا۔ اب کسی تماشائی کا کھلاڑیوں تک پہنچنا ناممکن تھا۔

وہ حنا کے ساتھ بیٹھی بڑی بے دلی سے مین آف دی میچ ایوارڈ کی تقریب دیکھتی رہی۔ اسٹینڈ تقریباً خالی ہو چکا تھا۔ لوگ اب بھی باہر جا رہے تھے۔ اب سب کو جلد از جلد اپنے اپنے گھر پہنچنے کی فکر تھی۔ کرس براڈ کو مین آف دی میچ ایوارڈ کے لیے پکارا گیا تو بہت تھوڑی تالیاں بجیں البتہ گراؤنڈ میں فوٹوگرافر بڑی تعداد میں تھے۔ تصویریں کھینچی جا رہی تھیں۔

”اب کیا ارادہ ہے، کیا یہیں بیٹھی رہو گی؟“ حنا نے شہلا کو چھیڑا۔ شہلا کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی، اُس نے حنا کے لہجے پر دھیان نہیں دیا۔ ”میں اُس سے مل بھی نہیں سکی۔“ اُس نے افسردگی سے کہا۔

”میں کہہ رہی ہوں، اب گھر چلنا ہے کہ نہیں؟“ حنا نے تیز لہجے میں کہا۔

”میں اُس سے ضرور ملوں گی۔“ شہلا اپنی ہی دُھن میں تھی۔

”تو کیا جنگلا پھلانگ کر گراؤنڈ میں کود جاؤ گی؟“

”نہیں، میں اُس سے کسی عام تماشائی کے انداز میں ملنا نہیں چاہتی۔“

”تو یوں کرتے ہیں کہ اُسے رات کے کھانے پر مدعو کر لیتے ہیں۔“ حنا کے لہجے میں شرارت تھی۔

”بے تکی مت ہانکا کرو، وقت بے وقت۔“ شہلا نے اُسے ڈانٹ دیا۔

”تو تم ہی کوئی تُک لڑاؤ... یا یہیں بیٹھی رہو گی دھرنا دے کر؟“

”چلو، چلتے ہیں۔“ شہلا نے سرد آہ بھر کر کہا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

وہ دونوں باہر نکلیں اور پارکنگ کی طرف بڑھ گئیں، جہاں حنا کی کار موجود تھی۔ پارکنگ ایریا میں اب بھی اچھی خاصی کاریں موجود تھیں۔ اچانک شہلا ٹھٹک گئی۔ ”ہمیں پویلین کے دروازے پر نظر رکھنا ہو گی۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

”وہ کیوں؟“ حنا نے پوچھا۔

”وہاں کا پارکنگ ایریا الگ ہے۔ ممکن ہے، وہ کسی کار میں آیا ہو۔“

”تو پھر؟“

”پھر یہ کہ ہم اُس کا پیچھا کریں گے۔“ شہلا نے نہایت اطمینان سے کہا۔

حنا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ ”یہ کوئی جاسوسی فلم بن رہی ہے کیا؟“

شہلا نے سُنی اَن سُنی کرتے ہوئے کہا۔ ”ممکن ہے، کہیں ہمیں اُس سے مل بیٹھنے کا موقع میسر آجائے۔“

”دیوانی ہوئی ہو؟“

شہلا نے اس بار بھی اُس کی بات نہیں سُنی۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی چند لمحوں کے بعد اُس نے کہا۔ ”تم اپنی گاڑی میں جا بیٹھو، جلدی کرو، میں اس پر نظر رکھوں گی میرا اشارہ دیکھتے ہی تم گاڑی اس طرف لے آنا۔“ اس کی نظریں بدستور وی آئی پی انکلوژر کے بیرونی دروازے پر جمی ہوئی تھیں۔

حنا چند لمحے اُسے بغور دیکھتی رہی پھر اُس نے اپنے کاندھے جھٹکے اور اپنی کار کی طرف بڑھ گئی۔

شکیل ظفر اپنے ساتھیوں کے درمیان خود کو چور چور سا محسوس کر رہا تھا۔ پاکستانی ٹیم کا منیجر بھی اس وقت ڈریسنگ روم میں موجود تھا۔ ٹیم کے تمام کھلاڑی اپنے اپنے طور پر شکیل کی دلجوئی میں مصروف تھے لیکن شکیل کو اُن کی نگاہیں یہی کہتی محسوس ہو رہی تھیں... ”شکیل! ہماری آج کی شکست کے ذمے دار صرف اور صرف تم ہو۔“ شکیل نے نظریں نہیں اُٹھائی

جا رہی تھیں۔

"یہ وقت تو ہر ٹیم پر آتا ہے" منصور کہہ رہا تھا۔ "لیکن ہٹن پر جب یہ وقت آیا تھا تو... "

"خدا نہ کرے کہ یہ وہ معاملہ ہو" جاوید نے اس کی بات کاٹ دی "خدا کرے یہ محض اتفاق ہو۔ فی الحال ہمارے لیے شکیل کی پرانی فارم بہت اہم ہے"

"میرے خیال میں تو یہ اتفاق ہی ہے کبھی کبھی ایسا دن بھی آتا ہے" ٹیم کے کپتان عمران نے کہا لیکن اس کے لہجے میں یقین کی کمی تھی۔

"بہرحال، ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے" ٹیم کے منیجر حسیب نے قدرے اعتماد سے کہا "البتہ ہمیں جان توڑ محنت کرنا ہوگی۔ ہمیں یہ ایڈوانٹیج حاصل ہے کہ ہم اپنے وطن میں کھیل رہے ہیں"

"اب ہمارا اگلا میچ ۲۵ تاریخ کو فیصل آباد میں ہے، سری لنکا کے خلاف" عمران نے کہا "۲۴ کی دوپہر ہم فیصل آباد کے لیے روانہ ہوں گے۔ ۲۴ کی صبح تک پریکٹس صبح و شام معمول کے مطابق ہو گی۔ میں کل صبح سات بجے آپ سب کو یہاں موجود دیکھنا چاہتا ہوں۔ وقت کی پابندی کا خیال رکھیں" اس کا لہجہ سخت ہو گیا۔

تمام کھلاڑیوں نے اثبات میں سر ہلا دیے۔

شکیل باہر نکلا۔ اس کا عزیز دوست جمال گیٹ پر اس کا منتظر تھا "نیور مائنڈ شکیل۔ دیئر از آل ویز اے نیکسٹ ٹائم" اس نے دلاسا دیا۔

شکیل خاموش رہا۔ اس کا دماغ ناکامی کے احساس سے شل ہو رہا تھا۔ جمال نے اس کا ہاتھ تھاما اور اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھنے کے بعد اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور برابر والی نشست پر نیم دراز شکیل سے پوچھا "کیا ارادہ ہے، کہاں چلو گے؟"

شکیل ڈریسنگ روم میں لباس تبدیل کر چکا تھا۔ اب وہ سرمئی رنگ کے شلوار قمیص سوٹ میں تھا۔ اس نے گود میں رکھے ہوئے بیگ کو تھپتھپاتے ہوئے کہا "سر بھاری ہو رہا ہے میرا، پہلے کہیں چائے پلاؤ، لارڈز چلیں؟"

شکیل نے اثبات میں سر ہلایا پھر کچھ سوچ کر بولا "لیکن پلیز گاڑی ذرا آہستہ چلانا، میرے ستارے آج کچھ گردش میں ہیں، میں نہیں چاہتا کہ..."

اس نے جملہ نامکمل چھوڑ دیا۔

جمال نے پرتشویش نگاہوں سے اسے دیکھا لیکن خاموش رہا۔ اس نے گاڑی پارکنگ سے نکالی اور حسن اسکوائر کی طرف جانے والی سڑک پر موڑ لی۔

شہلا بدستور اسی جگہ کھڑی تھی۔ وہ بے حد مضطرب تھی اور اپنا پرس جھلائے جا رہی تھی۔ اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ اس کی نظریں وی آئی پی گیٹ کی طرف منڈلا رہی تھیں۔ گیٹ پر ایک نوجوان آ کھڑا ہوا تھا۔ اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ کسی کا منتظر ہے۔ شہلا نے اسے کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ بار بار جنرل پارکنگ کی طرف دیکھتی جہاں حنا اپنی کار میں موجود تھی۔ بیشتر گاڑیاں جا چکی تھیں اور اب وہاں گنتی کی چند گاڑیاں موجود تھیں۔

پھر شہلا نے ایک اور نوجوان کو وی آئی پی گیٹ سے نمودار ہوتے دیکھا۔ وہ سرمئی شلوار قمیص میں تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک بیگ تھا اور اس کے کندھے جھکے ہوئے تھے۔ گیٹ پر پہلے سے موجود نوجوان شاید اسی کا منتظر تھا۔ ان دونوں کے درمیان کچھ گفتگو ہوئی پھر وہ ہاتھ میں ہاتھ ڈالے نیلے رنگ کی شیراڈ کی طرف بڑھ گئے۔

اچانک شہلا کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ وہ شکیل ظفر تھا۔ سرمئی شلوار قمیص والا۔ وہ الجھ کر رہ گئی۔ یقین سے نہیں کہہ سکتی تھی کہ وہ شکیل ظفر ہی ہے۔ اس نے صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کی۔ وہ اسے کرکٹ کے لباس میں دیکھنے کی توقع کر رہی تھی۔ شاید اسی لیے عام کپڑوں میں اسے نہیں پہچان سکی تھی لیکن وہ یقیناً شکیل ظفر ہی تھا۔ اس کے ہاتھ میں بیگ تھا۔ ایسے بیگ کرکٹرز کے پاس ہی ہوتے ہیں پھر وہ وی آئی پی گیٹ سے نکلا تھا۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ کوئی کھلاڑی ہی ہے۔ ٹیم کے دوسرے سب کھلاڑی جانے پہچانے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ شکیل ظفر ہی ہے۔

اس نے شیراڈ کی طرف دیکھا۔ وہ دونوں کار کی اگلی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے۔ کار کا انجن اسٹارٹ ہو چکا تھا۔ اسی لمحے بائیں جانب بیٹھے ہوئے نوجوان نے سر گھمایا۔ اس کی آنکھیں شہلا کی طرف تھیں لیکن اسے دیکھ نہیں رہی تھیں بلکہ کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ شہلا ان آنکھوں کو ہزاروں لاکھوں میں پہچان سکتی تھی۔ وہ شکیل ظفر ہی تھا پھر اس نے سر گھما کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے ہوئے اپنے ساتھی سے کچھ کہا اور اگلے ہی لمحے کار آگے بڑھ گئی۔

شہلا نے بے تابی سے ہاتھ اوپر کر کے لہرایا پھر وہ جنرل پارکنگ کی طرف لپکی کیونکہ حنا اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ بھاگتے ہوئے وہ دل ہی دل میں حنا کو اس کی بے پروائی پر کوس رہی تھی اور پلٹ پلٹ کر شیراڈ کو بھی دیکھ رہی تھی جو حسن اسکوائر کی طرف جانے والی سڑک پر مڑ گئی تھی۔

اس نے اگلی سیٹ کا دروازہ کھولا تو حنا نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اتنی دیر میں شہلا سیٹ پر بیٹھ چکی تھی "سو گئی تھیں کیا" شہلا نے جھنجلا کر کہا۔

"نہیں، جاگتے میں خواب دیکھ رہی تھی" حنا کے لہجے میں شگفتگی تھی۔

"جلدی کرو، اسٹارٹ کرو، وہ حسن اسکوائر کی طرف گئے ہیں" شہلا نے بے تابی سے کہا۔

حنا نے عجیب سی نظروں سے اسے دیکھا لیکن گاڑی اسٹارٹ کر دی "دیکھو کسی مصیبت میں نہ پھنسا دینا" اس نے گاڑی پارکنگ سے

نکالتے ہوئے کہا۔ شہلا نے کوئی جواب نہ دیا۔

حسن اسکوائر کی طرف جانے والی سڑک پر مڑتے ہی انھیں ایک لمحے کے لیے نیلی شیراڈ نظر آئی پھر وہ ڈھلوان میں غروب ہوگئی۔ "وہی ہے، نیلی شیراڈ۔" شہلا نے ہیجانی لہجے میں کہا۔ "گاڑی تیز چلاؤ پلیز۔"

خوش قسمتی سے نیلی شیراڈ کی رفتار کم تھی۔ انھوں نے حسن اسکوائر کی چورنگی پر اُسے جالیا۔ اب نیلی شیراڈ کا رُخ لیاقت آباد کی طرف تھا۔ حنا کے لیے اس کا تعاقب کچھ دشوار نہیں تھا۔ پھر وہ لیاقت آباد دس نمبر کی کراسنگ سے بھی گزر گئے۔ اب دونوں کاریں ناظم آباد پٹرول پمپ کی طرف جارہی تھیں پھر نیلی شیراڈ دائیں جانب مڑی اور ذیلی سڑک پر چل دی۔

"اوہ! گولاش یا للاوش۔" حنا نے سنسنی آمیز لہجے میں کہا۔ "لگتا ہے، ستارے تمھارا ساتھ دے رہے ہیں۔"

نیلی شیراڈ، گولاش کے سامنے سے بغیر رُکے گزر گئی تھی۔ حنا نے اپنی کار کی رفتار کم کر کے فاصلہ بڑھایا پھر اُس نے نیلی شیراڈ کو للاوش کے سامنے رُکتے دیکھا۔

جمال نے کار سے اُتر کر دروازہ مقفل کیا اور شکیل سے پوچھا۔ "باہر بیٹھو گے یا اندر چلیں؟"

شکیل چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا۔ لان پر سات آٹھ میزیں بچھی ہوئی تھیں۔ درمیان میں ایک فوارہ چل رہا تھا۔ فوارے کی دیواروں پر ننھے ننھے رنگ برنگے بلب لگے ہوئے تھے جن کی وجہ سے پانی کے اچھلتے ہوئے قطرے رنگین نظر آرہے تھے۔ تمام میزیں خالی تھیں۔ اندر بیٹھنے کے تصور ہی سے اُسے گھٹن کا احساس ہونے لگا۔ باہر کی کھلی فضا بہت اچھی لگ رہی تھی اگرچہ ٹریفک کا شور بہت تھا، اس کے باوجود باہر کا ماحول اُسے بے حد پُرسکون محسوس ہُوا۔ اکتوبر کا مہینہ تھا۔ ہلکی ہلکی خنکی تھی لیکن وہ بھی خوش گواریت کا احساس دلا رہی تھی۔ سورج غروب ہوچکا تھا۔

"باہر ہی بیٹھیں گے۔" شکیل نے آہستہ سے کہا۔

وہ دونوں سڑک سے اُفتادہ تر ایک میز کی طرف بڑھ گئے۔ اُن کے بیٹھتے ہی ایک ویٹر اُن کی طرف آیا۔ "فرمائیے سر؟" اس نے مؤدبانہ انداز میں پوچھا۔

"چائے کے ساتھ کچھ منگواؤں؟" جمال نے شکیل سے پوچھا۔

"نہیں، فی الوقت تو صرف چائے منگوالو۔"

جمال نے ویٹر کو چائے لانے کی ہدایت دی۔ ویٹر شکیل کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شناسائی کی چمک تھی۔ ویٹر کے جانے کے بعد جمال نے شکیل سے اس بات کا تذکرہ کیا۔ شکیل ہنسنے لگا۔

"شکر ہے، ابھی مجھے پہچاننے والے زیادہ نہیں ہیں۔" اس نے کہا۔ "میں نے سنا ہے کہ مقبولیت کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آدمی آزادی سے باہر گھوم پھر بھی نہیں سکتا۔ میرا خیال ہے، تمھیں وہم ہُوا ہوگا۔ کم از کم ان کپڑوں میں تو مجھے کوئی نہیں پہچانے گا۔"

"نہیں، مجھے وہم نہیں ہُوا۔ میں یقین سے کہہ رہا ہوں، یہ ویٹر تمھیں پہچان گیا ہے۔"

"چھوڑو یار! کم از کم آج تو میں ہرگز یہ پسند نہیں کروں گا کہ مجھے پہچانا جائے۔" شکیل نے بیزاری سے کہا۔

"خواہ وہ کوئی حسین لڑکی ہی کیوں نہ ہو؟" جمال نے شریر لہجے میں کہا۔

"اس صورت میں تو اور خرابی ہوگی۔ وہ کرکٹ کی الف ب بھی نہیں جانتی ہوگی اور میری آج کی کارکردگی پر مجھے تاڑنا شروع کردے گی۔"

"ضروری تو نہیں۔"

"چھوڑو یار ان فضول باتوں کو۔ میں اس وقت شدت سے بور ہو رہا ہوں۔"

جمال خاموش ہوگیا۔ چند لمحے بعد ویٹر ایک ٹرے پر دو گلاس پانی اور چائے کی خالی پیالیاں لایا۔ اس نے پانی کے دونوں گلاس اور دونوں خالی پیالیاں اُن دونوں کے سامنے رکھ دیں۔ وہ اب بھی شکیل کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس بار شکیل کو بھی اس کی نظروں کا احساس ہوگیا۔ اس نے نظریں اُٹھا کر ویٹر کو دیکھا۔ "کیا بات ہے؟" اس نے پوچھا۔

"صاحب! ایک بات پوچھوں؟" ویٹر نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

"پوچھو، کیا بات ہے؟" شکیل نے جواب دیا لیکن وہ جانتا تھا کہ ویٹر کیا پوچھے گا، یہی کہ کیا وہ شکیل ظفر ہے... پاکستان کی آج کی شکست کا ذمے دار...

"آپ... آپ شکیل صاحب ہی ہیں نا... جو آج پاکستان کی طرف سے میچ کھیلے تھے۔ میں نے آپ کو ٹی وی پر دیکھا تھا..." ویٹر نروس ہو رہا تھا۔

"ہاں، میں ہی ہوں شکیل ظفر..." شکیل نے کہا اور باقی جملے کا گلا گھونٹ دیا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ وہی پاکستان کی شکست کا ذمے دار ہے... وہ ننگِ وطن ہے... اس کے ذہن میں ایسے بے شمار لفظوں کی گونج تھی... اُسے انھی ناموں سے پکارا جانا چاہیے، وہ بے حد شرم سار تھا... احساسِ جرم کے بوجھ تلے دبا ہُوا... اس کا جی چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔

"صاحب، آپ بہت اچھا کھیلتے ہیں۔" ویٹر کے لہجے میں عاجزی تھی۔ "ہار جیت تو ہوتی رہتی ہے صاحب، بس آدمی کو اچھا کھیلنا چاہیے، پر صاحب آج آپ اچھا نہیں کھیلے..." اس کے لہجے میں شکایت سی در آئی۔

"اچھا اچھا... چائے لاؤ تم۔" جمال نے اُسے ڈانٹ دیا۔

شکیل کو اس کی یہ بات بُری لگی۔ اس نے ویٹر کے جانے کے بعد اس کا اظہار بھی کیا۔ "تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا جمال۔"

"احمق ہو تم۔ یوں ہر ایک کو مُنہ لگاؤ گے تو جینا مشکل ہو جائے گا۔ کھیلنا بھی بھول جاؤ گے۔" جمال نے تند لہجے میں کہا۔

"تم نہیں سمجھو گے، قومی سطح پر کھیلنے والا ہر کھلاڑی پبلک پراپرٹی ہوتا ہے۔ ہر شخص کو مجھ سے جواب طلب کرنے کا حق ہے۔" شکیل نے اُسے سمجھایا۔

"اور تمہارا حوصلہ بڑھانا کسی کا فرض نہیں ہے، یہ بات کوئی نہیں سوچے گا کہ وہ ایسا کرنے میں تمہارا حوصلہ پست کر رہا ہے۔" جمال کا لہجہ اب بھی تند تھا۔

"یہ بات نہیں، یہ سب کچھ تو اچھا کھیلنے کی ضرورت کا احساس دلاتا ہے، حوصلہ بلند کرتا ہے۔"

"میں نہیں مانتا، ہمارا قومی مزاج بھی عجیب ہے۔ ذرا سی دیر میں ہم کسی کو ہیرو بنا کر سر آنکھوں پر بٹھاتے ہیں اور ذرا سی دیر میں پاتال کی گہرائیوں میں دھکیل دیتے ہیں۔ آج تم سنچری بنالو تو ہر شخص کہے گا کہ تم سے اچھا کھلاڑی روئے زمین پر موجود نہیں اور کل تم صفر پر آؤٹ ہو جاؤ تو ہر شخص ایک دن پہلے کی باتیں بھول کر تم پر لعنت بھیجے گا۔ کچھ لوگ یہ تک کہہ دیں گے کہ تم بِک گئے ہو۔"

"ایسا محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔" شکیل نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ "خیر چھوڑو ان باتوں کو۔"

ویٹر چائے لے آیا۔ جمال نے چائے بنائی اور ایک پیالی شکیل کی طرف بڑھادی۔ اسی وقت دیکھے جانے کے احساس نے اُسے چونکا دیا۔ اُس نے نظریں اُٹھائیں۔ ریسٹورنٹ کے دروازے کے پاس ایک انتہائی حسین لڑکی کھڑی اُسے دیکھ رہی تھی۔ انداز ایسا تھا جیسے وہ ریسٹورنٹ میں جاتے جاتے اُسے دیکھ کر ٹھٹکی ہو۔ شکیل کا دل عجیب طرح سے دھڑکنے لگا۔ اُسے وہ لڑکی پہلی ہی نظر میں بھاگئی تھی۔ ایک عجیب بات یہ بھی تھی کہ وہ جانی پہچانی سی لگ رہی تھی۔ اُس کے ساتھ ایک اور لڑکی بھی تھی۔ پھر شکیل نے اُن دونوں کو اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔

شہلا نے گاڑی گولانش سے پیچھے ہی رُکوادی۔ حنا نے بریک تو لگا دیے لیکن آنکھیں نکال کر بولی۔ "یہ کیوں، اب کیا ہو گیا؟"

"پہلے اُنھیں اندر جانے دو، ہم بعد میں چلیں گے۔" شہلا نے لرزیدہ آواز میں جواب دیا۔ وہ شکیل سے ملنے، اُسے قریب سے دیکھنے، اُس سے باتیں کرنے کے شوق میں یہاں تک آ تو گئی تھی لیکن اب گھبرا رہی تھی۔ حنا نے اُس کی کیفیت بھانپ لی۔ شروع میں تو وہ بھی نروس تھی لیکن تعاقب کے دوران اُس نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ ویسے بھی وہ اس معاملے میں غیر جانبدار اور غیر متعلق تھی، اس لیے اُسے کوئی فکر بھی نہیں تھی۔

"کیا بات ہے، تم ڈر رہی ہو؟" حنا نے پوچھا۔

شہلا نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور اس ڈر کی نوعیت کیا ہے؟" حنا نے مضحکانہ انداز میں سوال کیا۔

"اگر... اگر اُس نے مجھے کوئی اہمیت نہ دی تو...؟"

"تو تم بھی اُسے اہمیت نہ دینا۔" حنا نے بے پروائی سے کہا۔ پھر اُ ت

وہ بیٹنگ کے لیے گیا ہی تھا کہ اس کی بیوی کا فون آ گیا۔

"آئی ایم سوری۔" کلب کے سکریٹری نے فون پر کہا۔ "آپ کے شوہر ابھی ابھی کھیلنے گئے ہیں، وہ واپس آئیں گے تو میں اُن سے کہہ دوں گا کہ آپ کو فون کرلیں۔"

"اس کی ضرورت نہیں۔" بیوی نے کہا۔ "میں ہولڈ کررہی ہوں۔"

ooooooooooooooooooooooooooo

کچھ خیال آ گیا۔ اُس نے شہلا کو سرتاپا بڑے غور سے دیکھا اور نفی میں سرہلاتے ہوئے بولی۔ "وہ مجھے بدذوق معلوم نہیں ہوتا۔ ویسے تو دنیا کا کوئی بدذوق سے بدذوق مرد تمھیں نظرانداز نہیں کرسکتا۔"

"فضول مت بکو۔" شہلا نے اُسے ڈانٹا۔ اُس کے رخسار تمتما اٹھے تھے۔ حنا نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور سامنے دیکھنے لگی۔ وہ دونوں لاروش کے لان کی طرف بڑھتے نظر آئے۔ "لو... وہ تو لان میں بیٹھ رہے ہیں۔" اُس نے بے ساختہ کہا۔

"یہ تو بہت بُرا ہوا۔" شہلا نے فکرمند ہو کر کہا۔

"اب کیا ارادہ ہے؟" حنا نے پوچھا۔

اُسی وقت عقب سے ہارن کی آواز سُنائی دی۔ حنا کو پہلی بار احساس ہُوا کہ وہ سڑک روکے کھڑی ہے۔ اُس نے شہلا کے جواب کا انتظار کیے بغیر گاڑی آگے بڑھادی اور لاروش کے قریب سائڈ میں لگادی۔ "اب بولو، کیا پروگرام ہے؟" اُس نے شہلا سے کہا۔

"تمھی بتاؤ، میں کیا کروں؟" شہلا نے پریشان ہو کر کہا۔

"کرنا کیا ہے، سیدھی اُس کے پاس جاؤ اور اُسے بتاؤ کہ اُس نے کئی مہینوں سے تمہارے خوابوں میں آ آ کر تمھیں بور کر رکھا ہے۔ یہ بھی کہنا کہ اب خوابوں کا سلسلہ موقوف ہو گیا ہے تو بوریت اور بڑھ گئی ہے۔"

"تمھیں مذاق سوجھ رہا ہے۔" شہلا نے شکایت آمیز لہجے میں کہا۔

"اچھا، ایسا کرو کہ اُس سے چل کر آٹوگراف مانگو۔ آگے جو مقدر... ممکن ہے، وہ تم سے متاثر ہو کر تمھیں چائے کی آفر کردے۔" حنا نے بے حد خلوص سے کہا۔

"ٹھیک ہے، چلو لیکن ہم ریسٹورنٹ کی طرف چلتے ہوئے یہ ظاہر کریں گے کہ جیسے ہم نے اُسے اتفاقاً دیکھا ہو۔"

"مجھے جمع کے صیغے پر اعتراض ہے۔" حنا نے شوخ لہجے میں احتجاج کیا لیکن شہلا اُس کا ہاتھ تھام کر ریسٹورنٹ کی طرف چل دی۔ ریسٹورنٹ کی سیڑھیوں کے قریب پہنچ کر وہ رُکیں اور شکیل کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ شہلا دل ہی دل میں شکیل کو پکار رہی تھی کہ وہ نظریں اُٹھا کر دیکھ لے۔ وہ دونوں زیادہ دیر اس پوزیشن میں کھڑی نہیں رہ سکتی تھیں، لوگ اُن کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

پھر جیسے شکیل تک اُس کی پکار پہنچ گئی۔ اُس نے نظریں اُٹھا کر دیکھا۔ شہلا سے اُس کی نظریں ملیں۔ ان نظروں کا تاثر حوصلہ افزا تھا۔ وہ حنا کا ہاتھ

تھامے اُس کی طرف بڑھ گئی۔ اُس کا دل گویا حلق میں دھڑک رہا تھا۔ "آ۔ آپ شکیل ظفر ہی ہیں نا؟" اُس سے اپنی آواز خود بھی نہ پہچانی گئی۔ وہ اس وقت خود کو خواب اور حقیقت کے درمیان معلق محسوس کر رہی تھی۔

شکیل نے اُسے غور سے دیکھا۔ وہ دُبلی پتلی بے حد متناسب الاعضاء لڑکی تھی۔ نکلتا ہُوا قد، تیکھے نقوش، بھرے بھرے گداز ہونٹ، غزالی آنکھیں، شانوں تک جھولتے ہوئے بال، درحقیقت وہ لڑکی سنگِ مرمر سے تراشا ہُوا کوئی جیتا جاگتا مجسمہ معلوم ہو رہی تھی۔ قریب سے دیکھنے پر نسائی کا احساس اور شدید ہوگیا تھا۔

"جی ہاں، میں شکیل ظفر ہُوں۔" شکیل نے جواب دیا۔ لہجے میں بے پناہ ذلت تھی۔

شہلا نے اس ندامت کو حد سے بڑھے ہوئے انکسار پر محمول کیا۔ اُس نے پیار سے کھول کر اپنی نئی آٹوگراف بُک نکالی اور اُس کی طرف بڑھا دی۔ "آٹوگراف پلیز۔"

شکیل نے ہاتھ بڑھا کر آٹوگراف بُک تو لے لی لیکن وہ بُری طرح گڑبڑا گیا۔ آٹوگراف کا تقاضا اُس کے لیے خلافِ توقع تھا۔ "جی... یہ... آٹوگراف... یہ تو بڑا مشکل کام ہے۔" اُس نے بوکھلا کر کہا۔

"تو آٹوگراف دے دیجیے۔" حنا نے شوخ لہجے میں کہا۔ شہلا نے اُسے گھور کر دیکھا۔

شکیل اور زیادہ بوکھلا گیا۔ "جی... وہ... دراصل۔"

جمال اب تک خاموش تماشائی کی حیثیت سے بیٹھا تھا۔ اب اُس سے رہا نہ گیا۔ "دراصل شکیل کو آٹوگراف دینے کی پریکٹس نہیں ہے۔ اس لیے سوچنے میں کچھ دیر لگے گی، آپ لوگ بیٹھیے نا؟" اُس نے کہا۔

حنا جھٹ بیٹھ گئی۔ شہلا ہچکچا رہی تھی۔ شکیل کو بھی حوصلہ ملا۔ اُس نے شہلا سے کہا۔ "جی ہاں، تشریف رکھیے۔" شہلا بھی بیٹھ گئی۔

جمال نے ویٹر کو اشارے سے بُلایا اور مزید چائے کا آرڈر دیا۔ حنا اور شہلا احتجاج کرتی رہیں لیکن اُس نے ایک نہ سُنی۔ شکیل آٹوگراف بُک کھول کر جیسے گم ہو گیا۔ اُسے حیرت ہوئی، کیونکہ آٹوگراف بُک نئی تھی... وہ آٹوگراف بُک پر نظریں جمائے بیٹھا رہا۔ درحقیقت وہ یہ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس لڑکی کو کہاں دیکھا ہے لیکن اُسے کچھ یاد نہیں آیا۔ اُس نے اُکتا کر نظریں اُٹھائیں۔ شہلا اُسی کو دیکھ رہی تھی۔ اُس کی نگاہوں میں وارفتگی تھی۔ ایک ایسی یقینی کیفیت تھی جسے وہ وہم قرار دے کر مسترد نہیں کر سکتا تھا۔ شکیل کو احساس ہوگیا کہ یہ ایک غیر معمولی ملاقات ہے۔ اس کی اپنی دھڑکنوں کی تیزی نے اس احساس کو اور فزوں کر رہی تھی۔ وہ لڑکی کی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہوگیا تھا اور عجیب بات یہ تھی کہ لڑکی، اُس لڑکی پہلے ہی سے اُس کے سحر میں گرفتار نظر آ رہی تھی، وہ اُس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا۔

اُس کی آنکھوں میں نہ جانے کیا تھا کہ شہلا نے نظریں جھکا لیں پھر وہ لرزیدہ آواز میں بولی۔ "آٹوگراف دیجیے نا!"

"ابھی نہیں دیں گے ورنہ آپ یہاں بیٹھیں گی نہیں، اپنی آٹوگراف بُک لے کر چل دیں گی۔" شکیل کے بجائے جمال نے جواب دیا۔

شہلا کے رخسار تمتما اُٹھے۔ شکیل نے ممنونیت آمیز نظروں سے جمال کو دیکھا۔ اُس نے اُس کے جذبات کی صحیح ترجمانی کی تھی۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" حنا نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"مطلب یہ ہے کہ شکیل بہت اپ سیٹ ہے آج کے میچ کی وجہ سے۔"

شکیل نے یہ تیور دیکھے تو آٹوگراف بُک پر دستخط کر کے جلدی سے اُسے شہلا کی طرف بڑھا دیا۔ "آپ کوئی غلط مطلب نہ لیں پلیز۔ جمال بے حد شرارتی ہے۔"

"ایسی کوئی بات نہیں، چائے پینے کے بعد ہم لوگ کچھ دیر اخلاقاً ضرور بیٹھیں گے۔" حنا نے تڑ سے کہا۔

"آج کا میچ تو آپ کے لیے بے حد تھکا دینے والا ثابت ہُوا ہو گا؟" شہلا نے شکیل کو مخاطب کیا۔

"تھکا دینے والا نہیں، البتہ شرمناک کہہ لیجیے۔"

"یہ تو کوئی بات نہیں، ضروری تو نہیں کہ ایک بیٹسمین ہر میچ میں سنچری بنائے۔" شہلا نے کہا۔

"بات اسکور کی نہیں، شرمناک حقیقت یہ ہے کہ میں آج کی شکست کا ذمے دار ہُوں۔" شکیل نے زور دے کر کہا۔

"آپ یہ بات نظرانداز کر رہے ہیں کہ کرکٹ ٹیم گیم ہے۔ آپ کی کارکردگی اچھی نہیں رہی لیکن ایک کھلاڑی سے ہر میچ میں اچھی کارکردگی کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔ کوئی بھی ٹیم کسی ایک کھلاڑی پر انحصار نہیں کرتی۔ اگر کرتی ہے تو میں اُسے اچھی اور مضبوط ٹیم کبھی تسلیم نہیں کروں گی۔"

پھر گفتگو کا رُخ اگلے میچ کی طرف ہو گیا۔ اس دوران چائے بھی پی گئی۔ شکیل حیران ہو رہا تھا۔ اس انجان لڑکی نے اُس کے جسم میں نئی رُوح پھونک دی تھی۔ اُس نے بے اعتمادی کی جگہ اُسے حوصلہ اور خود اعتمادی بخشی تھی۔ چائے کے بعد وہ لوگ بے تکلف ہوتے گئے۔ دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ اس دوران شہلا اور شکیل، دونوں ہی کو احساس ہو گیا کہ ان کے درمیان زبردست ہم آہنگی موجود ہے۔ اس گفتگو کے دوران جب بھی دونوں کی نظریں ملیں، شکیل کو شہلا کی آنکھیں کوئی خوبصورت سا پیغام دیتی محسوس ہوئیں لیکن اُسے یہ علم نہ ہو سکا کہ خود اُس کی آنکھوں میں بھی جوابی پیغام جھلک اُٹھا ہے۔

ویٹر قریب کھڑا اُنھیں بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اُن کی یہ خاموش گفتگو بھی سُن رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی، معنی خیز مسکراہٹ۔ اُس نے اس طرح محبتوں کے پھول کھلتے بارہا دیکھے تھے۔

وہ دونوں جا چُکی تھیں۔ اچانک شکیل کو خیال آیا کہ اُسے تو شہلا کے نام کے سوا کچھ بھی معلوم نہیں۔ اُس نے شہلا سے اُس کا پتا تک نہیں پوچھا تھا۔

"ویسے یہ حقیقت ہے کہ تم پرلے درجے کے بُدّو ہو۔" جمال نے تبصرہ کیا۔ "ایسے ڈوبے اُس کی آنکھوں میں کہ ہوش ہی نہیں رہا لیکن غم نہ کرو، وہ پھر ملے گی پیارے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟"

"میں نے یہ بال چھاؤں میں کالے نہیں کیے ہیں۔" جمال نے اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"یار تم سیدھی طرح بات نہیں کر سکتے؟"

"میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ تم سے مل بیٹھنے کا بہانہ تلاش کر رہی تھی۔" جمال یک لخت سنجیدہ ہو گیا۔ "پتا نہیں کیوں لیکن مجھے ایسا لگتا ہے کہ وہ تمہیں پہلے سے جانتی ہے۔"

"مجھے بھی وہ جانی پہچانی سی لگتی ہے۔"

"محبت میں تیسرے سر کی قسم، ایسا بھی ہوتا ہے۔ ویسے یقین رکھو، وہ تمہیں فون ضرور کرے گی۔"

"تمہارے منہ میں گھی شکر..."

"یار خدا کے لیے، اب کام کے محاوروں کو تو کم از کم اس عہد سے ہم آہنگ کر دو۔ مجھے گھی شکر پسند نہیں۔" جمال نے بے حد جھلا کر کہا۔

اگلے روز ویسٹ انڈیز نے سری لنکا کو ہرا دیا۔ اب ورلڈ کپ کے سلسلے میں پول بی کی تمام ٹیمیں چار چار میچ کھیل چکی تھیں۔ انھیں دو دو میچ اور کھیلنا تھے۔ اس کے بعد یہ طے پانا تھا کہ کون سی دو ٹیمیں سیمی فائنل کھیلیں گی۔ پول بی کی ونر ٹیم کو پول اے کی رنر اپ سے اور پول بی کی رنر اپ ٹیم کو پول اے کی ونر سے سیمی فائنل کھیلنا تھا۔

پوائنٹس کے لحاظ سے پول بی کی ٹیموں کی پوزیشن:۔

ٹیم	کتنے میچ کھیلے	کتنے میچ جیتے	کتنے میچ ہارے	پوائنٹس	رنز فی اوور
ویسٹ انڈیز	۴	۴	صفر	۸	۴.۳۳
پاکستان	۴	۲	۲	۴	۴.۴۲
انگلینڈ	۴	۲	۲	۴	۳.۷۵
سری لنکا	۴	صفر	۴	صفر	۳.۹۵

جمال کی پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ اگلی ہی رات شہلا نے فون کیا۔ اتفاق سے شکیل کمرے میں تنہا تھا لہٰذا بے تکلفی سے بات کی جا سکتی تھی۔ "آپ کو میرا نمبر کیسے ملا؟" اس نے پوچھا۔

"ارے، آپ کو نہیں معلوم۔" شہلا کے لہجے میں حیرت تھی۔ "جمال صاحب نے حنا کو آپ کا فون نمبر دیا تھا۔"

"بہت خبیث ہے یہ جمال بھی۔" شکیل نے کہا۔ درحقیقت اسے جمال پر پیار آ رہا تھا۔

"کیوں، آپ نہیں چاہتے کہ میں آپ کو فون کروں؟" شہلا کے لہجے میں دکھ سا تھا۔

"یہ بات نہیں۔" شکیل نے جلدی سے صفائی پیش کی۔ "دراصل میں پریشان ہو رہا تھا کہ آپ سے پتا تک نہیں پوچھا۔ جمال نجانے کیا کیا بکتا رہا پھر اس نے پیش گوئی کی کہ آپ مجھے فون ضرور کریں گی۔ اب سمجھ میں آیا ہے، اس پیش گوئی کا راز..."

"بہت شریر ہے آپ کا دوست۔" شہلا کی مترنم ہنسی سنائی دی۔

"اس نے اور بھی بہت کچھ کہا تھا اور میرا خیال ہے، غلط نہیں کہا ہو گا۔ ایک بات پوچھوں آپ سے؟"

"ضرور پوچھیے۔"

"آپ مجھے پہلے سے جانتی تھیں؟"

دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی پھر شہلا نے کہا "نہیں، اسے جاننا تو نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ میں نے آپ کو بار ہا دیکھا ہے۔"

"یقیناً دیکھا ہو گا، مجھے بھی آپ جانی پہچانی لگتی تھیں۔"

"اوہ..." شہلا کے لہجے میں سنسنی بھی تھی اور اشتیاق بھی۔ "آپ کو یہ یاد ہے کہ آپ نے مجھے کہاں دیکھا ہے؟"

"یہی تو یاد نہیں... لیکن یاد آ سکتا ہے، آپ بتائیں کہ آپ نے مجھے کہاں دیکھا ہے۔"

دوسری طرف پھر چند لمحے خاموشی رہی۔ "یہ تو میں آپ کو نہیں بتا سکتی۔"

"کیوں؟"

"ناقابلِ یقین سی بات ہے۔ میں آپ کی نظروں میں سبک ہونا پسند نہیں کروں گی۔"

"ایسا نہیں ہو گا۔"

"نہیں... یہ ممکن نہیں۔" شہلا کا لہجہ سخت تھا۔

"بہت بہتر، اس صورت میں، میں اصرار نہیں کروں گا۔" شکیل نے بے حد نرمی سے کہا۔ وہ ذہن پر زور دے رہا تھا۔ یاد کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس نے شہلا کو پہلے کہاں دیکھا ہے۔ پھر اچانک اسے یاد آ گیا۔ "میں سمجھ گیا کہ آپ مجھے شناسا کیوں لگی ہیں۔" اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "آپ ہالی وڈ کی ایک اطالوی نژاد اداکارہ سے بہت زیادہ مشابہ ہیں، جس کی میں نے کئی فلمیں دیکھی ہیں۔"

"اوہ... گویا آپ نے مجھے اس دن سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا؟"

شکیل کو اس کے لہجے میں مایوسی سی محسوس ہوئی لیکن وہ اس کا سبب سمجھنے سے قاصر تھا۔ "جی ہاں... میں نے ویسے آپ کو کبھی نہیں دیکھا۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

"خیر چھوڑیے ان باتوں کو۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتی تھی کہ میں ہر روز آپ کے لیے دعا کرتی ہوں۔"

"میں شکر گزار ہوں آپ کا۔"

"۲۰ تاریخ کو پاکستان اور ویسٹ انڈیز کا میچ دیکھنے میں ضرور آؤں گی۔ اچھا خدا حافظ۔"

"سنیے... اپنا فون نمبر تو دے دیجیے۔"

شہلا کا بتایا ہُوا نمبر نوٹ کرنے کے بعد اُس نے خدا حافظ کہا اور ریسیور رکھ دیا۔

٭

۲۵ تاریخ کو فیصل آباد میں پاکستان اور سری لنکا کا میچ ہُوا۔ پاکستان نے ٹاس جیتا اور سری لنکا کو بیٹنگ کی دعوت دی۔ سری لنکا کے کھلاڑی زبردست دباؤ میں تھے، کیونکہ اُنھوں نے اب تک کوئی میچ نہیں جیتا تھا۔ دوسری طرف یہ بھی حقیقت تھی کہ اب اُن کے سیمی فائنل میں پہنچنے کا کوئی امکان نہیں تھا، چنانچہ وہ بڑی بے جگری سے کھیلے۔ اُنھوں نے پاکستانی باؤلرز کی دل کھول کر پٹائی کی۔ صرف تشکیل ظفر ہی اُنھیں پریشان کر سکا۔ اس کے باوجود اُنھوں نے مقررہ ۵۰ اوورز میں ۲۴۲ رنز بنائے، جو کسی اعتبار سے بھی کم نہیں تھے۔

پاکستان کو ابتدا ہی میں نقصان اُٹھانا پڑا۔ اس کے دونوں اوپنر جلد ہی آؤٹ ہو گئے۔ تشکیل ایک بار پھر بیٹنگ میں ناکام رہا۔ وہ بارہ اوورز تک کریز پر موجود رہا اور ہر لمحے رن بنانے کی جدوجہد کرتا رہا۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اپنی فارم کھو چکا ہے۔ وہ نہایت بے بس نظر آرہا تھا اور وہ بھی اوسط درجے کی باؤلنگ کے سامنے بالآخر ۱۶ ویں اوور میں وہ آؤٹ ہو گیا۔ اس نے صرف ۷ رنز بنائے تھے اور اس وقت پاکستان کا اسکور ۳۹ رنز تھا، جبکہ تین کھلاڑی آؤٹ ہو چکے تھے۔

ایسے میں ٹیم کے کپتان عمران نے منصور کے ساتھ مل کر پاکستانی بیٹنگ کو سہارا دیا۔ اُن دونوں نے یادگار اننگز کھیلی۔ ۴۰ ویں اوور میں پاکستان کا اسکور چار وکٹوں کے نقصان پر ۱۹۲ رنز تھا۔ ۴۵ ویں اوور میں پاکستان نے ۵ وکٹوں سے میچ جیت لیا۔

اگلے روز اخبارات نے اپنے تبصروں میں تشکیل کی ناکامی پر زبردست تنقید کی۔ کچھ مبصروں نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ اب اُسے مزید چانس نہیں ملنا چاہیے۔ وہ ٹیم پر بوجھ بن گیا ہے۔ تشکیل بہت دل برداشتہ تھا کیونکہ اس روز میچ کے دوران تماشائیوں نے بھی اُسے ہُوٹ کیا تھا۔

اگلے روز جے پور میں انگلینڈ نے ایک سنسنی خیز مقابلے کے بعد ویسٹ انڈیز کو ایک وکٹ سے شکست دے کر ہلچل مچا دی۔ ٹورنامنٹ سنسنی خیز مرحلے میں داخل ہو گیا۔ انگلینڈ کے سیمی فائنل میں پہنچنے کا امکان پہلی بار نظر آیا تھا۔ تمام ٹیموں کا ایک ایک میچ باقی تھا۔ پاکستان کو ویسٹ انڈیز سے اور انگلینڈ کو سری لنکا سے کھیلنا تھا۔ ویسٹ انڈیز تو یقینی طور پر سیمی فائنل کا حقدار ہو گیا تھا۔ پاکستان اور انگلینڈ کے پوائنٹس برابر تھے۔ البتہ پاکستان کا رن بنانے کا اوسط پُول بی میں سب سے بہتر تھا۔ پاکستان کے سیمی فائنل میں پہنچنے کا انحصار دو باتوں پر تھا۔ ایک تو یہ کہ سری لنکا، انگلینڈ کو شکست دے دے، جس کا بظاہر کوئی امکان نہیں تھا۔ دوسری صورت میں پاکستان کو ویسٹ انڈیز کے خلاف لازماً میچ جیتنا تھا اور یہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔

پوائنٹس کے اعتبار سے ٹیموں کی پوزیشن یہ تھی۔

ٹیم	کتنے میچ کھیلے	کتنے جیتے	کتنے ہارے	پوائنٹس	رن بنانے کی فی اوور شرح
ویسٹ انڈیز	۵	۴	۱	۸	۴.۴۰
پاکستان	۵	۳	۲	۶	۴.۶۲
انگلینڈ	۵	۳	۲	۶	۴.۰۵
سری لنکا	۵	صفر	۵	صفر	۳.۸۸

٭

تشکیل شدید دباؤ میں تھا۔ آؤٹ آف فارم ہونا کسی بھی کھلاڑی کے لیے بہت بڑا وبال ہوتا ہے۔ ابھی تو اس کا کیریئر شروع ہی ہُوا تھا کہ وہ بیڈ پیچ میں آگیا۔ اُس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بے حد چڑچڑا ہو گیا۔ اُسے ویسٹ انڈیز کے خلاف میچ میں اپنی شمولیت مشکوک نظر آرہی تھی۔

دوسری طرف ہنگامی صُورتِ حال کے پیشِ نظر پاکستانی ٹیم کے مینجر نے فیصلہ کیا کہ تمام کھلاڑی ۳۰ تاریخ کے میچ تک اپنے گھر نہیں جائیں گے، بلکہ اُن کا قیام ہوٹل پرل کانٹی نینٹل میں رہے گا۔ اُس نے ان کے لیے انتہائی مصروف شیڈول تیار کیا۔ کھلاڑیوں کا بیشتر وقت پریکٹس کی نذر ہو رہا تھا۔

ٹیم کے کپتان عمران نے تشکیل کو بتایا کہ اُسے اب بھی تشکیل کی بیٹنگ پر اعتماد ہے۔ سلیکشن کمیٹی تشکیل کو ڈراپ کرنے کے حق میں تھی لیکن عمران نے کہا تھا کہ اب تک کی کارکردگی کے پیشِ نظر تشکیل کو صرف اُس کی باؤلنگ کی بنیاد پر ٹیم میں شامل کیا جا سکتا ہے لہٰذا اُسے ڈراپ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ عمران نے تشکیل کو یقین دلایا کہ وہ نہ صرف ویسٹ انڈیز کے خلاف میچ میں شامل ہوگا، بلکہ اپنے مخصوص نمبر پر ہی بیٹنگ کرے گا۔

یوں تشکیل کے سر سے ایک بڑا بوجھ ہٹ گیا۔ اب اُسے عمران کے اعتماد پر پورا اُترنا تھا۔ وہ اس کے لیے ہمہ تن مصروف ہو گیا۔ اب اُس کے ذہن میں کوئی خیال نہیں تھا، سوائے اپنی اہلیت ثابت کرنے کے۔ وہ سب کچھ بھول گیا، یہاں تک کہ اُسے کبھی شہلا کا خیال بھی نہ آیا، جسے وہ اب تقریباً ہر رات یاد کرنے کا عادی ہو گیا تھا۔

٭

شہلا اور حِنا لاروش کی اُسی میز پر بیٹھی تھیں، جہاں اُنھوں نے تین ہفتے پہلے تشکیل اور جمال کے ساتھ چائے پی تھی۔ ویٹر چائے سرو کرنے کے بعد اُن کی میز کے قریب ہی کھڑا ہو گیا تھا۔ رش زیادہ نہیں تھا اسی لیے وہ سستانے کے موڈ میں تھا۔

وہ ۲۹ کی شام تھی۔ اگلے روز پاکستان اور ویسٹ انڈیز کا میچ تھا۔ دونوں سہیلیوں کے درمیان اسی سلسلے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ "تم تو تشکیل صاحب سے فون پر خوب باتیں کرتی رہی ہو گی۔" حِنا نے شریر لہجے میں کہا۔

"نہیں تو، بس ایک بار بات ہوئی تھی اور وہ تمھیں معلوم ہے۔" شہلا نے جواب دیا۔

حِنا لاہور میں دو ہفتے گزار کر گزشتہ روز ہی واپس آئی تھی۔ واپسی کے بعد اُن دونوں کی یہ پہلی ملاقات تھی۔ "کیوں، اُس کے بعد فون کیوں نہیں کیا تم نے؟" اس نے جھنجلا کر پوچھا۔

"مناسب نہیں سمجھا۔" شہلا نے بے حد متانت سے کہا۔ "مَیں نے فیصلہ

کیا تھا کہ ۳۰ تاریخ کے میچ کے بعد اُن سے ملوں گی اور اس سے پہلے اُن سے کسی قسم کا رابطہ نہیں رکھوں گی۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ ایک ملاقات اور ایک کال کا اُن پر کیا تاثر ہے۔ اُنھیں یاد بھی ہوں میں یا نہیں۔"

"تم تو دیوانی ہو۔" حنا نے جھلا کر کہا۔ "اور انھوں نے بھی تمھیں فون نہیں کیا۔ اس کا مطلب ہے تمھیں اُن سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں، ویسے ممکن ہے کہ انھیں مجھ سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔" شہلا نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔ "لیکن فون نہ کرنے کی ایک وجہ یقینی طور پر وہ دباؤ ہے، جو آج کل اُن پر ہے۔ میں اُن کی ذہنی کیفیت کا محض اندازہ لگا سکتی ہوں۔ اُنھیں تو یہ یقین بھی نہیں ہوگا کہ کل کے میچ میں اُنھیں شامل کیا جائے گا۔ خدا کرے کل وہ کامیاب رہیں۔"

"تمھیں یہ یقین کیوں ہے کہ کل اُنھیں کھلایا جائے گا؟"

"بس، ہے یقین۔ اس کی وجہ تو مجھے بھی معلوم نہیں ہے۔"

"اچھا، تم آج تو انھیں فون کر سکتی ہو۔"

"مجھے معلوم ہے کہ وہ پرل کانٹی نینٹل میں ہیں۔ میں اُنھیں فون کر سکتی ہوں لیکن کروں گی نہیں۔ بس، کل میں اُن سے مل لوں گی۔"

"تم واقعی پاگل ہو۔"

"ہاں شاید۔" "اچھا اب چل دو، اور کل وقت پر آ جانا میرے گھر۔" شہلا نے کہا اور ویٹر کو بل لانے کا اشارہ کیا۔

۲۹ تاریخ کو توقع کے مطابق انگلینڈ نے سری لنکا کو ہرا دیا۔ اب دونوں ٹیمیں اپنے اپنے تمام پول میچ کھیل چکی تھیں۔ صورتِ حال یہ تھی کہ سری لنکا کی ٹیم ٹورنامنٹ سے باہر ہو چکی تھی۔ ویسٹ انڈیز نے ۵ میچوں میں ۸ پوائنٹ حاصل کیے تھے۔ اُن کے فی اوور رن بنانے کی شرح ۴.۴۰ تھی۔ انگلینڈ نے چھ میچوں میں ۸ پوائنٹ حاصل کیے تھے۔ اُن کے رن بنانے کی شرح ۴.۲۰ فی اوور تھی۔ پاکستان نے پانچ میچوں میں ۶ پوائنٹ حاصل کیے تھے۔ ان کے رن بنانے کی شرح فی اوور ۴.۶۲ تھی۔ اس اعتبار سے ویسٹ انڈیز سیمی فائنل میں پہنچ چکا تھا۔ پاکستان سے آخری میچ ہار بھی جائے تو کچھ فرق نہ پڑتا۔ پاکستان کے لیے ویسٹ انڈیز کو ہرانا ضروری ہو گیا تھا۔ اس کے بغیر وہ سیمی فائنل میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ویسٹ انڈیز سے میچ جیت کر وہ پوائنٹ کے اعتبار سے ویسٹ انڈیز اور انگلینڈ کے برابر آ جاتے اور فیصلہ رن ریٹ پر ہوتا، جو پاکستان کا سب سے بہتر تھا۔ اگلے روز ہونے والا میچ پاکستان کے لیے بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گیا تھا۔ انھیں ہر قیمت پر جیتنا تھا اور مقابلے پر ویسٹ انڈیز جیسی ٹیم تھی۔

وہ ۲۹ تاریخ تھی، جو دبے قدموں ۳۰ کی طرف بڑھ رہی تھی۔ رات کے ۹ بج چکے تھے۔ پاکستانی ٹیم کے منیجر نے سختی سے ہدایت کی تھی کہ تمام کھلاڑی دس بجے تک سو جائیں۔ انھیں صبح چھ بجے اُٹھا دیا جائے گا تاکہ وہ سات بجے معمول کے مطابق ایکسرسائز کر سکیں۔

شکیل اپنے کمرے میں صوفے پر بیٹھا تھا۔ اس کا روم میٹ سلیم اپنے بستر پر دراز تھا۔ شکیل، شہلا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس کا جی چاہ رہا تھا کہ شہلا کو فون کرے لیکن پھر اُس نے خود کو یاد دلایا کہ اگلے روز اُس کا اہم ترین میچ ہے اور اُسے صرف کھیل کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ میچ کے بعد البتہ وہ آزاد ہوگا۔ اُس نے شہلا کے متعلق ایک اہم فیصلہ کر لیا تھا۔

اچانک فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ریسیور اُٹھایا۔ "ہیلو، شکیل ظفر اسپیکنگ..."

"شکیل صاحب آپ کی کال ہے۔" دوسری طرف سے آپریٹر کی آواز سنائی دی۔

"کنکٹ اٹ پلیز۔"

دوسرے ہی لمحے ریسیور سے ایک مردانہ آواز اُبھری۔ "تم شکیل ظفر ہی ہو نا؟"

"جی ہاں، آپ کی تعریف۔"

"میری تعریف سے تمھیں کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے۔" دوسری طرف سے سرد لہجے میں کہا گیا۔ "اپنی بات کرو۔ گزشتہ دو میچوں سے تم بہت گندا

فاسٹ باؤلر نے انتہائی تیز گیند کرائی۔ بیٹس مین وکٹوں کے عین سامنے تھا اور گیند پیڈ پر لگی تھی۔

"ہاؤز دیٹ۔" باؤلر نے اپیل کی۔

"ناٹ آؤٹ۔" امپائر نے کہا۔

باؤلر شدتِ غیظ سے گنگ ہو کر رہ گیا۔ اس نے دوسری گیند اور تیز کرائی۔ اس بار گیند بیٹ سے لگ کر بہت اونچی اچھلی اور سیکنڈ سلپ میں کھڑے فیلڈر نے اُسے کیچ کر لیا۔ اس بار تمام فیلڈرز نے زوردار اپیل کی۔

"ناٹ آؤٹ۔" امپائر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

باؤلر کے ساتھیوں نے اسے بڑی مشکل سے ٹھنڈا کیا۔ اس نے پھر اسٹارٹ لیا۔ اس بار گیند پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی۔ وہ گیند بیٹس مین کی سمجھ میں بالکل نہیں آئی۔ تینوں اسٹمپس اُکھڑ کر دور جا گریں۔ باؤلر اپنے اسٹارٹ کی طرف مڑا۔ امپائر کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے نفی میں سر ہلایا اور آہستہ سے بڑبڑایا۔ "کمال ہے، کیا بال بال بچا ہے۔"

کھیل رہے ہو۔"

"اچھا، تو پھر؟" شکیل نے تند لہجے میں کہا۔

"کل تمھیں یقینی طور پر اچھا کھیلنا ہوگا۔"

"ممکن ہے ایسا نہ ہو، یہ میرے اختیار میں تو نہیں ہے۔"

"تمھیں اسے ممکن بنانا ہوگا، ورنہ بڑے خسارے میں رہو گے۔ غور سے سنو، تمھاری منگیتر اس وقت میرے قبضے میں ہے۔"

"کیا بکواس ہے یہ، میری کوئی منگیتر نہیں ہے۔" شکیل نے جھلا کر کہا۔

"میں شہلا انیس کی بات کر رہا ہوں۔"

شکیل کا دماغ جیسے بھک سے اڑ گیا۔ ابھی چند لمحے پہلے ہی تو وہ شہلا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے ایک فیصلہ بھی کیا تھا۔ "یقین کرو، میری کوئی منگیتر نہیں ہے۔" اس نے کمزور آواز میں کہا۔

"خیر، نہیں ہوگی۔" دوسری طرف سے بے پروائی سے کہا گیا۔ "بہرحال، وہ جو کوئی بھی ہے، اس کی زندگی کا انحصار اس پر ہے کہ کل تم کیسی بیٹنگ کرتے ہو، اگر تم کھیل گئے تو میں اسے بخیر و عافیت نکل جانے دوں گا ورنہ . . . اور ہاں، پولیس میں رپورٹ کرو گے تو تمھاری اچھی اننگ بھی تمھاری منگیتر کو نہیں بچا سکے گی۔"

"میری بات تو سنو!" شکیل نے ماؤتھ پیس میں کہا لیکن رابطہ منقطع ہو چکا تھا۔

شکیل دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہے اور اسے کیا کرنا چاہیے۔

سلیم نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "کیا بات ہے، کس کا فون تھا، تم پریشان کیوں ہو گئے ہو؟" اس نے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں، کسی پرستار کا فون تھا، دھمکیاں دے رہا تھا کہ کل مجھے ہر حال میں اچھا کھیلنا ہوگا ورنہ ..." شکیل نے سچ بولنا مناسب نہ سمجھا۔

"یہ عجیب مصیبت ہے، ایک تو ہمیں یہ پرستار چین نہیں لینے دیتے۔ خیر، تم پریشان کیوں ہو رہے ہو۔ ریسیور کریڈل سے ہٹا دو۔ نہ رہے گا بانس، نہ بجے گی بانسری۔" سلیم نے مشورہ دیا۔

شکیل نے ریسیور کریڈل سے ہٹا دیا اور بیٹھا سوچتا رہا۔ وہ کوشش کر رہا تھا کہ اس کے چہرے سے پریشانی نہ جھلکے۔ سلیم نے کروٹ بدل لی تھی۔ شکیل صورتِ حال کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ پولیس کو مطلع کرنا بے سود تھا۔ ایک تو اسے کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ ایسے میں پولیس بھی کیا کر لیتی پھر پولیس کو مطلع کرنے میں ایک چکر اور بھی تھا۔ اسکینڈل بنتا اور یہ بات شہلا کے حق میں انتہائی مضر ہوتی۔ بہرحال، شہلا کی زندگی بھی خطرے میں تھی۔ اگر پولیس کو مطلع کرنے سے شہلا کا بچنا ممکن ہوتا تو وہ اسکینڈل کا خطرہ بھی مول لے لیتا لیکن وہ بے سود تو ایسا نہیں کر سکتا۔ چنانچہ پولیس کو مطلع کرنا فضول تھا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے پہلوؤں پر غور کرنا شروع کیا۔ اسے حیرت ہو رہی تھی کہ اس کا ذہن اس قدر صاف کیوں ہے۔ وہ بے حد منطقی انداز میں سوچ رہا تھا۔ ایک صورت یہ بھی تھی کہ وہ میچ سے دستبردار ہو جائے لیکن اس نے فوراً ہی اس خیال کو بھی مسترد کر دیا۔ اگر شہلا واقعی اس شخص کے قبضے میں ہے، تو یہ بات بھی طے ہے کہ وہ شخص جنونی ہے۔ کوئی بھی ہوش مند آدمی اس قدر احمقانہ قدم نہیں اٹھا سکتا۔ اس کا مطلب تھا کہ اس کے میچ نہ کھیلنے کی صورت میں وہ جھنجلا کر انتہائی قدم اٹھا سکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اسے خیال گزرا کہ دس بجے تک کمرے کی لائٹ ہر حال میں آف کرنا ہوگی۔ اگر وہ سر درد کا یا کوئی اور بہانہ پیش کرے جاگنے کے سلسلے میں، کیونکہ نیند آنے کا تو سوال ہی نہیں ہے، تو اسے اَن فِٹ قرار دے کر ڈراپ کیا جا سکتا ہے اور یہ شہلا کے حق میں مخدوش ثابت ہوگا۔

اچانک اسے ایک خیال آیا اور وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ یہ کوئی سنگین مذاق ہو، اور شہلا بخیر و عافیت اپنے گھر موجود ہو۔ یہ خیال ڈوبتے کو تنکے کا سہارا کے مترادف تھا۔ اس نے ریسیور اٹھا کر آپریٹر کا نمبر ملایا اور اسے شہلا کا فون نمبر دیتے ہوئے جلد از جلد نمبر ملانے کی ہدایت دی۔ ریسیور کریڈل پر ڈال کر اس نے گھڑی میں وقت دیکھا، ۹ بج کر ۲۵ منٹ ہوئے تھے۔ اس وقت وہ مجسم دعا بن گیا تھا۔ کاش ... کاش فون ملتے ہی اسے شہلا کی آواز سنائی دے۔ کاش ... کاش ... وہ ٹیلی فون سیٹ کو متوقع نگاہوں سے دیکھتا اور زیرِ لب دعا کرتا رہا۔ ہر لمحہ اس کے اضطراب میں اضافہ کر رہا تھا۔ دس منٹ ہو گئے لیکن فون کی گھنٹی نہیں بجی۔ اس کے اعصاب چٹخنے لگے۔ وہ دوبارہ آپریٹر سے بات کرنے کے لیے ریسیور اٹھانے ہی والا تھا کہ فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ اس نے بڑی بے تابی سے ریسیور اٹھایا۔ "ہیلو!" اس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔ اس کی آواز لرز رہی تھی۔

"سر ... میں نے کئی بار کوشش کی ہے، دوسری طرف سے کوئی ریسیور ہی نہیں اٹھا رہا ہے۔"

"یعنی ... یعنی بیل جا رہی ہے؟"

"جی ہاں سر ... ایسا لگتا ہے کہ وہاں کوئی بھی موجود نہیں ہے، آپ کہیں تو مزید کوشش کروں؟"

"پلیز ... میں شکر گزار رہوں گا مس۔" وہ گھگیا کر بولا۔

"وی آر ایٹ یور سروس سر، میں پھر کوشش کرتی ہوں۔"

اس نے ریسیور رکھ دیا۔ اس بار اس کے ذہن میں اندیشوں کی پھنکاریں تھیں۔ ممکن ہے، سب لوگ کہیں گئے ہوں ... ممکن ہے انھیں شہلا کی گمشدگی کا علم ہی نہ ہو پھر اس کے ذہن میں ایک خوش آئند خیال ابھرا۔ یہ بھی تو ممکن ہے کہ شہلا بھی اپنے گھر والوں کے ساتھ ہو اور دھمکی والی کال محض مذاق ہو۔

اس نے سوچا کہ وہ باہر نکل کر کچھ کرے۔ شہلا کے گھر جائے لیکن اس صورت میں وہ مینیجر کی ہدایت کی خلاف ورزی کی پاداش میں میچ سے محروم ہو جاتا اور یہ کسی بھی حال میں بہتر نہ ہوتا۔ پہلی بار اسے احساس ہوا کہ وہ میچ اس کے لیے کتنا اہم ہو گیا ہے۔ اگر دھمکی والی کال محض مذاق نہیں تھی تو شہلا

کی بچت کی ایک ہی صورت تھی، اُس کی اچھی اننگ۔ یہ الگ بات کہ اُسے اچھی اننگ کے معیار کے متعلق علم ہی نہیں تھا۔ شاید اچھی اننگ کی تعریف اُس جنونی کے نزدیک ایک ایسی اننگ ہوگی، جو پاکستان کو فتح سے ہم کنار کرلئے۔ بہرحال اُس کے لیے اگلے روز کے میچ میں اچھا کھیلنا لازمی ہوگیا تھا، خواہ کال مذاق ہو یا نہ ہو۔ اگر کال مذاق تھی تو فکر کی کوئی بات ہی نہیں تھی، اگر شہلا کا اغوا حقیقت تھا تو وہ شہلا کے لیے صرف اتنا کرسکتا تھا کہ اچھی کارکردگی دکھانے کی بھرپور کوشش کرے اور اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ جاگنے سے بچے۔ اُس نے پھر گھڑی دیکھی، دس بجنے میں پانچ منٹ باقی تھے۔ اُسے احساس تھا کہ نیند اُس کی آنکھوں سے کوسوں دُور ہے اور آسانی سے آئے گی بھی نہیں۔ اُس نے ایک لمحے میں فیصلہ کرلیا کہ اب اُسے کیا کرنا ہے۔ اُس نے ریسیور اُٹھایا اور آپریٹر کا نمبر ڈائل کیا۔ ”میں شکیل ظفر بول رہا ہوں، نمبر ملا...؟“ اُس نے ماؤتھ پیس میں کہا۔

”نہیں سر، اب بھی وہی پوزیشن ہے، کوئی جواب نہیں مل رہا۔“

”ٹھیک ہے مس، شکریہ، اب چھوڑیں۔“ شکیل نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔ ”اب ضرورت بھی نہیں۔“ اُس نے ریسیور رکھا، پھر اپنے بیگ میں سے تین خواب آور گولیاں نکالیں اور پانی کے ساتھ حلق سے اُتارلیں پھر اُس نے گھڑی میں وقت دیکھا۔ دس بجنے میں صرف ایک منٹ کم تھا۔ اُس نے لائٹ آف کی اور بستر پر دراز ہوگیا۔ تین خواب آور گولیاں لینے کے باوجود وہ دیر تک کروٹیں بدلتا رہا۔ سونے سے پہلے وہ مسلسل شہلا کے بارے میں سوچتا رہا۔ شہلا یک لخت ہی اس کے لیے بہت زیادہ اہمیت اختیار کرگئی تھی۔

بالآخر اُسے نیند آگئی۔ خوابوں سے عاری، سپاٹ اور بے کیف نیند۔

اُس صبح ایسا لگ رہا تھا کہ شہر کی تمام آبادی نیشنل اسٹیڈیم میں سمٹ آئی ہے۔ میچ ٹی۔ وی پر براہِ راست دکھایا جانا تھا۔ اس کے باوجود ہر شخص اسٹیڈیم میں داخل ہونے کے لیے بے چین تھا۔ میچ شروع ہونے سے پہلے ہی تمام اسٹینڈز کھچا کھچ بھر گئے، جبکہ تماشائیوں کی آمد کا سلسلہ ابھی جاری تھا۔ اس میچ میں لوگوں کی غیر معمولی دلچسپی کا سبب یہ تھا کہ وہ میچ پاکستان کے لیے بے حد اہم تھا۔ پاکستان کو سیمی فائنل میں پہنچنے کے لیے نہ صرف وہ میچ جیتنا تھا بلکہ اپنے رن ریٹ کو برقرار بھی رکھنا تھا۔ ہر شخص جانتا تھا کہ قومی ٹیم کو حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے، لوگ ٹیم کی حوصلہ افزائی کے لیے جوق در جوق اسٹیڈیم چلے آرہے تھے۔ بیشتر تماشائیوں کے ہاتھوں میں چھوٹے چھوٹے پاکستانی پرچم تھے۔

شکیل بے حد پریشان تھا۔ وہ تو رات کو سو جانے کی وجہ سے اُس کی حالت خاصی بہتر تھی ورنہ اب تک نہ جانے اُس کا کیا حشر ہوتا۔ وہ مسلسل شہلا کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ یہ خیال کہ شہلا اس وقت کسی جنونی کے قبضے میں ہے اور اُس کی زندگی کا انحصار محض اُس کی اچھی اننگ پر ہے، اُس کے دل و دماغ پر ہتھوڑے کی طرح برس رہا تھا۔ ایک اچھی اننگ اور وہ بھی ایسے وقت میں جبکہ وہ آؤٹ آف فارم تھا۔ اُسے احساس تھا کہ اب شہلا کے بارے میں سوچنا شہلا کی زندگی کے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ محبت کو صرف تڑپ درکار نہیں تھی بلکہ عمل کی بھی ضرورت تھی۔ شہلا کے بارے میں سوچ کر وہ صرف خود کو پریشان کرسکتا تھا۔ صورتِ حال کا تقاضا یہ تھا کہ وہ سب کچھ بھول کر اپنی توجہ کھیل پر مرتکز کرے۔ کرکٹ تو کھیل ہی ارتکاز کا ہے لیکن اس صورتِ حال میں ارتکاز قائم کرنا پل صراط سے گزرنے کے مترادف تھا۔

پاکستان کی مکمل ٹیم وہی تھی جس نے سری لنکا کے خلاف میچ جیتا تھا۔ ویسٹ انڈیز کی ٹیم نے ایک تبدیلی کی تھی۔ نئے فاسٹ باؤلر سالمن کو پہلی بار کھیلنے کا موقع دیا گیا تھا۔ مبصرین پہلے ہی یہ رائے دے چکے تھے کہ سالمن مستقبل قریب میں دُنیا کا خطرناک ترین فاسٹ باؤلر ثابت ہوگا۔ اُس کی اسپیڈ حیران کُن تھی البتہ لائن اور لینتھ کے معاملے میں کچھ کمی تھی، جسے تجربہ یقیناً دُور کردے گا۔

خوش قسمتی سے پاکستان نے ٹاس جیتا اور پہلے فیلڈنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ویسٹ انڈیز کے اوپنرز نے نہایت محتاط انداز میں اننگ کا آغاز کیا۔ آٹھویں اوور میں ۱۹ کے اسکور پر اُنھیں پہلا نقصان اُٹھانا پڑا۔ ین ویوین رچرڈ کے آتے ہی کھیل میں تیزی پیدا ہوگئی۔ رن بننے کی رفتار تیز ہوگئی، اگر پاکستان کی فیلڈنگ بہت اچھی نہ ہوتی تو اسکور یقیناً کہیں کا کہیں پہنچ گیا ہوتا۔

۲۱ ویں اوور میں سیل کو باؤلنگ دی گئی، اس وقت اسکور ۷۵ تھا اور ویسٹ انڈیز کا ایک کھلاڑی آؤٹ ہُوا تھا۔ شکیل اتنا نروس تھا کہ اپنے پہلے میچ میں بھی نہیں ہُوا تھا۔ پہلے اوور میں اُس کی ڈائریکشن بہت خراب تھی۔ اس اوور میں اس کی اچھی خاصی پٹائی ہوئی۔ تاہم شہلا کے خیال نے ہی اُسے سنبھالا دیا۔ دوسرے اوور سے اس نے لائن لینتھ پکڑ لی۔ ویسٹ انڈیز کے منجھے ہوئے بیٹسمینوں کے لیے بھی رنز کا حصول دُشوار ہوگیا۔ رنز بنانے کی رفتار پھر کم ہوگئی۔ اپنے چھٹے اوور میں اُس نے ویون رچرڈ کی پرائز وکٹ حاصل کی حالانکہ اس وقت تک رچرڈ سیٹ ہو چکا تھا۔ اس وقت کل اسکور ۱۰۵ تھا اور رچرڈ ۴۸ رنز بنا کر آؤٹ ہُوا تھا۔

رچرڈ کے آؤٹ ہونے کے بعد پاکستانی کھلاڑیوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے۔ تاہم ویسٹ انڈیز کے بیٹسمین سر جھکا کر کھیلتے رہے۔ شکیل نے اپنے اوورز کا کوٹا پورا کیا تو ویسٹ انڈیز کا اسکور ۲۹ اوورز میں ۱۳۰ تھا اور اُس کے تین کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے۔ شکیل نے دس اوورز میں ۲۷ رنز دے کر دو وکٹیں حاصل کی تھیں۔

اب آخری گیارہ اوورز بچے تھے۔ ویسٹ انڈیز کی سات وکٹیں باقی تھیں۔ ویسٹ انڈیز کے بیٹسمینوں نے اس مضبوط پوزیشن سے خوب فائدہ اُٹھایا۔ مقررہ پچاس اوورز مکمل ہوئے تو ویسٹ انڈیز نے پانچ وکٹوں کے نقصان پر ۲۲۵ رنز بنائے تھے۔ گویا پاکستان کو میچ جیتنے کے لیے ۴.۵۲ رنز فی اوور کے اوسط سے ۲۲۶ رنز بنانا تھے۔ یہ ٹارگیٹ آسان تو نہیں تھا لیکن وکٹ کی کنڈیشن کے پیشِ نظر زیادہ مشکل بھی نہیں تھا۔

اس میچ میں ۲۲۵ رنز بنا کر ویسٹ انڈیز یقینی طور پر سیمی فائنل میں پہنچ گیا۔ اب یہ میچ ہارنے سے بھی اُن پر کچھ اثر نہیں پڑتا تھا کیونکہ اُن کا رن ریٹ انگلینڈ سے بہتر تھا۔ دوسری طرف پاکستان کا رن ریٹ پہلے ہی انگلینڈ اور ویسٹ انڈیز دونوں سے بہتر تھا۔ اب اُنھیں ویسٹ انڈیز سے میچ جیتنا تھا۔ اس صورت میں وہ پول بی کے ونر قرار پاتے۔ لیکن میچ ہارنے کی صورت میں وہ ٹورنامنٹ سے باہر ہوجاتے۔ صورتِ حال بے حد سنسنی خیز تھی۔ پاکستانی ٹیم کے لیے وہ میچ موت اور زندگی کا مسئلہ بن گیا تھا۔

لیکن پاکستانی اننگ کا آغاز ہی بہت خراب ہُوا۔ نئے باؤلر سائمن نے ویسٹ انڈیز کی طرف سے پہلا اوور پھینکا۔ اس اوور کی چوتھی گیند پر اُس نے رمیز کو بولڈ کر دیا۔ اس وقت پاکستان کا اسکور صرف چار رنز تھا۔ منصور نے مدثر کے ساتھ مل کر بڑے اعتماد کے ساتھ کھیلنا شروع کیا۔ دونوں نے چند دلکش اسٹروک کھیلے۔ رن بننے کی رفتار تیز تھی۔ ایسا لگتا تھا کہ پاکستانی ٹیم نے ہر قیمت پر میچ جیتنے کا تہیہ کیا ہُوا ہے لیکن پانچویں اوور کی پانچویں گیند پر سائمن نے منصور کو بھی بولڈ کر دیا۔ اُس وقت اسکور ۲۵ تھا۔

شکیل پویلین سے نمودار ہُوا۔ اُس کے سر پر گرین پاکستانی کیپ تھی۔ اُس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا اور جسم میں خفیف سی لرزش تھی۔ وہ نروس تھا۔ کسی کو اندازہ بھی نہیں تھا کہ وہ درحقیقت کتنے بڑے امتحان سے گزرنے جا رہا ہے۔ رات کی دھمکی والا دباؤ ہی کچھ کم نہ تھا کہ وکٹیں جلدی گرنے سے اُس کے کندھوں پر بھاری ذمے داری کا بوجھ آن پڑا تھا۔ اُس نے دل ہی دل میں خدا سے اپنی سرخروئی اور شہلا کی زندگی کی دُعا مانگی اور سر جھکائے کریز کی طرف بڑھتا رہا۔ اسٹیڈیم پر سناٹا طاری تھا۔

کریز پر پہنچ کر اُس نے امپائر سے گارڈ لیا، پھر فیلڈ کا جائزہ لیا اور دستانے پہننے لگا۔ سائمن اپنے باؤلنگ اسٹارٹ پر اُس کا منتظر کھڑا تھا۔ شکیل کے لیے وہ بالکل نیا باؤلر تھا۔ وہ اُس کی باؤلنگ کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا تھا۔ یہ اُس کے لیے بہت بڑا ڈس ایڈوانٹیج تھا۔ بہرحال وہ سائمن کے اوور کی آخری گیند بھی تھی۔

اب وہ کھیلنے کے لیے تیار تھا۔ سائمن نے اسٹارٹ لے لیا تھا۔ وہ وکٹوں پر پہنچا... اُس کا ہاتھ گھوما۔ شکیل کی تیز نگاہوں نے دیکھ لیا کہ گیند آف اسٹمپ سے معمولی سی باہر ہے۔ وہ گیند کی لائن میں آ گیا۔ لیکن اُس نے بیک وقت دو دھوکے کھائے تھے۔ وہ تیز اور سیدھی گیند کی توقع کر رہا تھا لیکن گیند اُس کی توقع سے کہیں تیز تھی اور وہ معمولی سی اندر کی جانب گھومی بھی تھی۔ شکیل نے گیند کی لائن کو مس کیا۔ اُس کے لائن میں آکر کھیلنے کے ایکشن کے دوران گیند گولی کی سی تیزی سے بیٹ اور پیڈ کے گیپ سے گزری۔ اسی لمحے شکیل نے کھٹاک کی آواز سُنی۔ اُس نے پلٹ کر اسٹمپ کی طرف دیکھا اور حیران رہ گیا۔ آف اسٹمپ اب بھی گڑی ہوئی تھی لیکن صرف نصف۔ اسٹمپ کا بالائی نصف ٹوٹ کر اچھلا تھا اور دُور جا گرا تھا۔ اسٹیڈیم پُرتشویش سرگوشیوں سے گونج رہا تھا۔ اُس کا دل ڈوبنے لگا۔

شہلا اور حنا خواتین کے اسٹینڈز میں بیٹھی میچ دیکھ رہی تھیں۔ ویسٹ انڈیز نے پہلے بیٹنگ کی تھی۔ نہ جانے کیوں شہلا کو ایسا لگ رہا تھا کہ شکیل بہت پریشان ہے۔ جیسے اس پر کوئی اَن دیکھا بوجھ لدا ہُوا ہے لیکن یہ کوئی خاص بات نہیں تھی۔ شہلا جانتی تھی کہ شکیل پر بوجھ ہے۔ وہ مسلسل ناکامیوں کا بوجھ... پھر وہ ٹیم کا رکن ہونے کی حیثیت سے اس بوجھ میں بھی حصّے دار تھا، جو پوری ٹیم پر تھا۔ اُنھیں یہ میچ ہر قیمت پر جیتنا تھا۔ شہلا، شکیل کے لیے صرف دُعا ہی کر سکتی تھی۔ یہ تو اُس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایک ایسا بوجھ بھی اُٹھائے ہوئے ہے، جس کے بارے میں کسی کو بھی علم نہیں ہے۔

اس پریشانی کے باوجود شکیل بہت اچھی فیلڈنگ کر رہا تھا۔ شہلا کا سینہ فخر کے احساس سے معمور ہوگیا۔ شکیل خود کو ایک اچھا فائٹر ثابت کر رہا تھا۔ ایسے لوگ کبھی ہتھیار نہیں ڈالتے۔ پھر وہ باؤلنگ کے لیے آیا تو اور زیادہ پریشان نظر آ رہا تھا۔ اُس کے کندھے ڈھلکے رہے تھے۔ اُس نے

پہلا اوور بہت خراب کیا۔ اس اوور کے دوران وہ اعصاب زدہ معلوم ہورہا تھا۔ اس اوور میں اُس نے آٹھ رنز دیے لیکن اس کے بعد جیسے اُس کی شخصیت میں کوئی معجزاتی تبدیلی رُونما ہوئی۔ اُس کے کندھے تن گئے۔ انداز سے خوداعتمادی جھلکنے لگی۔ اپنے دوسرے اوور میں وہ ایک بدلا ہُوا آدمی نظر آرہا تھا۔ اُس کی باؤلنگ کے سامنے ڈیوین رچرڈ جیسا عظیم بیٹسمین بھی بے بس نظر آرہا تھا۔ بالآخر رچرڈ اُس کی پُرفریب باؤلنگ کا شکار ہُوا۔ اُسے شکیل نے اپنی گیند پر خود ہی کیچ کیا تھا۔ درحقیقت پاکستان کی طرف سے سب سے اچھی باؤلنگ اُسی نے کی لیکن شہلا جانتی تھی کہ اُس کی اصل آزمائش تو بیٹنگ کے دوران ہوگی۔

پاکستان کی دو وکٹیں جلد ہی گر گئیں شہلا کا دل لرزنے لگا۔ شکیل پر دباؤ اور بڑھ گیا تھا پھر شکیل بیٹنگ کے لیے کریز پر آیا تو صاف پتا چل رہا تھا کہ وہ شدید دباؤ میں ہے۔ پہلی گیند وہ نہایت اعتماد سے کھیلنے گیا تھا...

لیکن خدا کی پناہ، گیند کی رفتار اتنی تیز تھی کہ شہلا کو تو محض سُرخ قوسی لکیر سی نظر آئی تھی پھر اُس نے وکٹ کے بالائی حصّے کو ٹوٹ کر اُڑتے دیکھا۔ اُس کی سانسیں رُک سی گئیں پھر پورا اسٹیڈیم تالیوں سے لرز کر رہ گیا۔ امپائر نے سائمن کے گیند کرتے ہی نوبال پکاری تھی اور اب وہ اسکوررز کی طرف دیکھ کر نوبال کا سگنل دے رہا تھا۔

شہلا نے سکون کی سانس لی لیکن اُسے معلوم نہیں تھا کہ اگلا لمحہ کیا قیامت ڈھانے والا ہے...

شکیل سحرزدہ سا کھڑا کبھی گری ہوئی آدھی اسٹمپ کو دیکھ رہا تھا اور کبھی اُس کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے کو۔ وہ یہ سوچ کر دہل گیا کہ اگر خدانخواستہ وہ گیند اُس کے کہیں لگ جاتی تو کیا ہوتا پھر اُسے شہلا کا خیال آیا اور یہ یاد آیا کہ وہ آؤٹ ہوچکا ہے، ورنہ اب تک وہ ٹوٹی ہوئی اسٹمپ کو ایک تماشائی کی نظر سے دیکھ رہا تھا۔ اُس کا دل ڈوبنے لگا۔ گویا وہ آؤٹ ہوچکا ہے، اور اب شہلا...

اچانک پورا اسٹیڈیم تالیوں سے گونج اُٹھا۔

شکیل حیرت زدہ سا پلٹا، اس کی نظر امپائر پر پڑی، جو ایک جانب ہٹ کر نوبال کا اشارہ کررہا تھا۔ سائمن کے چہرے پر گہری مایوسی کا تاثر تھا۔ وہ لمحہ شکیل کے لیے حاصلِ حیات تھا۔ شاید اُس کی دُعا قبول ہوئی تھی۔ صرف اور صرف شہلا کی خاطر وہ کھیلنا چاہتا تھا اور قدرت نے اُسے اس کا موقع فراہم کردیا تھا۔ اب اُسے اپنے کیریئر کی پروا نہیں تھی۔ اُسے اندازہ ہوگیا تھا کہ سائمن کی اسپیڈ بے پناہ ہے۔ اُسے سیٹ ہونے میں کچھ وقت لگے گا بشرطیکہ وہ اس سے پہلے ہی آؤٹ نہ ہوجائے۔ بہرحال یہ نوبال اُسے قدرت کا تائیدی اشارہ محسوس ہوئی۔ اُس کا حوصلہ اور عزم دوچند ہوگیا۔ اُس نے پلٹ کر اسکوربورڈ کی طرف دیکھا۔ اسکور اب ۲۶ تھا اور الیکٹرونک اسکوربورڈ پر اوورز کے نیچے ۴ کا ہندسہ نظر آرہا تھا۔ ایک گیند کے بعد بورڈ پر ۴ کی جگہ ۵ لے گا۔ ۵ ویں اوور کی آخری گیند ابھی باقی تھی

کھیل کچھ دیر رُکا رہا۔ امپائر نے نئی اسٹمپ منگوائی۔ ٹوٹی ہوئی اسٹمپ ہٹا کر اُس کی جگہ نئی اسٹمپ لگائی گئی۔ اب کھیل شروع ہونے والا تھا۔ سائمن اپنے باؤلنگ اسٹارٹ کی طرف جارہا تھا آہستہ آہستہ۔ اُس کے انداز میں مایوسی تھی۔

شکیل نے دل ہی دل میں جسم و جان کی تمام تر سچائی کے ساتھ خدا کا شکر ادا کیا۔ ایک اعتبار سے وہ دوسری اننگ کھیل رہا تھا اور یہ صرف خدا کے کرم کی وجہ سے ممکن ہُوا تھا، ورنہ امپائر بھی انسان ہی ہوتے ہیں، اُن سے چُوک بھی ہوسکتی ہے اور آئے دن ہوتی رہتی ہے۔ وہ کھیلنے کے لیے تیار ہوگیا۔

سائمن باؤلنگ کریز کی طرف بھاگ رہا تھا۔ اُس کی رفتار بتدریج تیز ہوتی جارہی تھی پھر وہ ایکشن میں آیا۔ شکیل کو احساس ہوگیا کہ وہ باؤنسر کا سامنا کرنے والا ہے۔ ایک سیکنڈ کے ہزارویں حصّے میں اُس نے خوب سوچا سمجھا اور فیصلہ کرلیا۔ وہ سائمن کی اسپیڈ پہلی گیند میں دیکھ چکا تھا۔ اُسے ہُک کرنا تھا... مکمل ٹائمنگ کے ساتھ۔ وہ ہُک اُس کی خوداعتمادی کے لیے بہت اہم تھا اور ایک اچھی اننگ کا سنگِ بنیاد ثابت ہوسکتا تھا۔ چند لمحے پہلے اُس نے فیصلہ کیا تھا کہ اُسے سیٹ ہونے کے لیے کچھ وقت درکار ہوگا۔ اس لحاظ سے اُسے اس شاٹ سے بچنا چاہیے تھا لیکن تازہ فیصلے کے اس لمحے میں وہ شہلا کا شکیل نہیں تھا، وہ تو جارحانہ کھیل کھیلنے والا ایک ایسا بیٹسمین تھا، جو باؤلر کو خود پر حاوی کرنے کا موقع دینا پسند نہیں کرتا تھا۔ اس لمحے اُسے نہ شہلا کا خیال تھا اور نہ اپنے کیریئر کا۔ اُس کے تمام حواس، تمام تر توانائی اس گیند پر مرکوز تھی جس کا اُسے سامنا تھا۔ وہ تیزی سے بیک فٹ پر گیا۔ اب وہ ہُک کرنے کی پوزیشن میں تھا۔

وہ گیند باؤنس کے اعتبار سے اُس کی توقعات پر پوری اُتری لیکن اُس کی اسپیڈ کے معاملے میں اُس کا اندازہ مُہلک ہونے کی حد تک غلط ثابت ہُوا۔ گیند کی رفتار کم تھی اور وہ رُک کر آئی تھی۔ اُسے شاٹ کھیلنے کے دوران ہی اس بات کا اندازہ ہوگیا تھا لیکن اب وہ کچھ نہیں کرسکتا تھا۔ پلک جھپکتے میں اُس نے سب کچھ سوچا۔ اُس کا ہاتھ خودکار انداز میں ایکشن مکمل کررہا تھا۔ اُسے بیٹ کو بہرحال گیند سے دُور رکھنا تھا اور ساتھ ہی خود کو گیند کی لائن سے ہٹانا تھا۔ شاید بیٹ کو دُور رکھنے کے خیال کی وجہ سے وہ تیزی سے عمل نہ کرسکا۔ اُسے ہرحال میں آؤٹ ہونے سے بچنا تھا۔ ایکشن مکمل ہوتے ہی وہ اپنی جھونک میں تیزی سے جُھکا لیکن وہ تیزی ایسی نہیں تھی کہ اُسے بچا سکتی۔ گیند اُس کی داہنی کنپٹی سے کچھ اُوپر لگی۔ اُس کا ذہن اندھیروں میں ڈوبنے لگا لیکن اس وقت بھی اُس نے کوشش کرکے خود کو سنبھالا۔ اُسے وکٹوں پر گرنے سے بچنا تھا۔ بیٹ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ اُس کے ہاتھ سر کے اُس حصّے کی طرف لپکے، جہاں گیند لگی تھی۔ وہ دو قدم آگے بڑھا، اندھا دھند اندھوں کی طرح۔ اُس کے ہاتھ چپچپا رہے تھے۔ وہ یقیناً خون تھا پھر وہ کسی کٹے ہوئے درخت کی طرح ڈھے گیا۔ اُس کے ڈوبتے ذہن میں ایک ہی خیال تھا۔ یہ قدرت کی ستم ظریفی تھی کہ پچھلی گیند پر وہ آؤٹ ہوکر بھی

ناٹ آؤٹ رہا تھا اور اب وہ اس گیند کے بدلے زخمی ہو رہا تھا۔ ہاں، وہ اسی اوور کی ساتویں گیند ہی تو تھی، ساتویں گیند۔ پھر اُس کا ذہن اندھیروں میں ڈوب گیا۔

شہلا کے مُنہ سے بے ساختہ چیخ نکلی... اور وہ بلا ارادہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُس کے بعد اس کی عجیب حالت ہو گئی۔ وہ ہوش میں تھی لیکن ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گئی تھی۔ حِنا اُس کا ہاتھ تھامے زور زور سے کچھ کہہ رہی تھی، اُسے اس بات کا احساس تو تھا لیکن اُس کی سماعت جیسے معطل ہو گئی تھی۔ اُس کی نظریں شکیل پر جمی ہوئی تھیں جو زمین پر بے حس و حرکت پڑا تھا۔ ڈاکٹر کئی افراد کے ساتھ گراؤنڈ میں آ گیا تھا۔ ان لوگوں کے پاس اسٹریچر تھا۔ ڈاکٹر کچھ دیر شکیل کا معائنہ کرتا رہا، پھر اُس نے ہاتھ ہلا کر اپنے ساتھیوں سے کچھ کہا۔ اگلے ہی لمحے شکیل کو اسٹریچر پر منتقل کیا جانے لگا۔ اُس وقت شہلا نے دیکھا کہ شکیل کے سوئیٹر اور قمیص کے کالر پر خون کے دھبے ہیں۔

اُسی وقت حِنا نے اُس کے رخسار پر زور دار تھپّڑ مارا۔ شہلا اس کیفیت سے نکل آئی۔ اُس نے چونک کر حِنا کو دیکھا اور اگلے ہی لمحے پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگی۔ وہ ہذیانی انداز میں... ”اوہ میرے خدا... میرے خدا، اُسے بچا لینا“ کی تکرار کیے جا رہی تھی۔

”ہوش میں آؤ شہلا“ حِنا نے اُسے جھنجوڑ ڈالا۔

ان کے گرد بہت سی لڑکیاں جمع ہو گئیں۔ وہ شہلا کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ شہلا کو بھی اُن کی نظروں کا احساس ہو گیا، وہ محجوب ہو گئی۔ اُس نے خود کو تماشا بنا لیا تھا لیکن... لیکن شکیل کی زندگی خطرے میں تھی، کیا پتا؟ وہ لرز کر رہ گئی، وہ اُس کا خواب بھی تھا اور خواب کی تعبیر بھی۔ کیا سب کچھ یوں آسانی سے لُٹ جائے گا۔ نظروں کے احساس نے اُسے پھر چونکا دیا۔ اُس نے میدان کی طرف دیکھا۔ شکیل کو لے جایا جا چکا تھا۔ نیا بیٹسمین میدان میں داخل ہو رہا تھا۔

شہلا، حِنا کا ہاتھ تھام کر جنگلے کی طرف لے گئی۔ ”مجھے شکیل سے ملنا ہے... پلیز...“ اُس نے بے تابانہ کہا۔

”یہ کیسے ممکن ہے، اب تک تو وہ اُسے اسپتال لے گئے ہوں گے۔“

”میں کچھ نہیں جانتی ہو“

اُسی وقت پبلک اناؤنسمنٹ سسٹم پر اعلان ہُوا: ”ابھی کچھ دیر پہلے پاکستانی بیٹسمین شکیل ظفر سر پر گیند لگ جانے کی وجہ سے ریٹائر ہو گئے ہیں۔ اُنھیں بے ہوشی کے عالم میں اسپتال لے جایا گیا ہے۔ اسپتال سے جیسے ہی رپورٹ موصول ہو گی، ہم آپ کو اُن کے متعلق بتائیں گے، قواعد کے مطابق کھیل جاری رہے گا۔“

”دیکھا... وہ اُنھیں اسپتال لے گئے ہیں، تم فکر نہ کرو، زیادہ چوٹ نہیں لگی ہے۔ گھبرانے سے کچھ نہیں ہو گا، دُعا کرو۔“ حِنا نے اُسے سمجھایا۔

شہلا نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔ وہ چُپکے چُپکے رو رہی تھی۔

حِنا نے ٹرانزسٹر آن کر دیا۔ اُس پر میچ کی کمنٹری ہو رہی تھی۔

”اس کے ذریعے ہمیں شکیل کے متعلق معلوم ہوتا رہے گا کہ اُن کا کیا حال ہے۔“ اُس نے کہا۔

شہلا بدستور روتی رہی۔ اس وقت تو اُس کی دھڑکنیں... اُس کی سانسیں بھی دُعا بن گئی تھیں۔

شکیل کو ایمبولینس ہی میں ہوش آ گیا تھا۔ لیاقت نیشنل اسپتال میں ڈاکٹروں نے اُس کے زخم کا تفصیلی معائنہ کیا۔

”ہوش آ گیا ہے، یہ اچھی علامت ہے۔“ ایک ڈاکٹر نے تبصرہ کیا۔

”ٹانکے لگانے پڑیں گے۔“ دوسرا ڈاکٹر بولا۔

”میں کھیل سکوں گا یا نہیں؟“ شکیل نے کمزور آواز میں پوچھا۔

”اگر آپ مستقبل کی بات کر رہے ہیں تو آپ یقیناً کھیلیں گے، بشرطیکہ کھیلنا چاہیں۔“

”میں آج کے میچ کی بات کر رہا ہوں۔“

ڈاکٹر نے اُسے ایسے دیکھا جیسے اس کے نزدیک اُس کا ذہنی توازن مشکوک ہو۔ ”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ، یہ ناممکن ہے۔“ اُس نے تیز لہجے میں کہا۔

”اوہ...“ شکیل نے بے حد یاس سے کہا۔ اُسے احساس تھا کہ ڈاکٹر سے اُلجھنا نامناسب ہے۔ ”خیر کوئی بات نہیں۔“

ڈاکٹر نے سکون کا سانس لیا۔

ٹانکے لگنے کے بعد شکیل نے اصرار کیا کہ اُسے اسٹیڈیم جانے دیا جائے۔ وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیٹھ کر میچ دیکھنا چاہتا ہے۔

”یہ یاد رکھیے گا کہ آپ کو کھیلنا نہیں ہے۔“ اُس کے مسلسل اصرار کے بعد ڈاکٹر نرم پڑ گیا۔

”سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، مجھے چکر آ رہے ہیں۔“ شکیل نے کہا۔

”تب تو بہتر ہے کہ آپ یہیں آرام کریں۔“

”نہیں، اب ایسا بھی نہیں ہے۔ میں بہرحال میچ دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”یہاں ٹی۔ وی موجود ہے۔“

”میں اپنے ساتھیوں کے درمیان جانا چاہتا ہوں۔“

بالآخر ڈاکٹر نے ہتھیار ڈال دیے۔

پاکستانی بیٹسمین زبردست دباؤ میں تھے۔ اب جاوید، مدثر کے ساتھ کھیل رہا تھا۔ ویسٹ انڈیز کے باؤلرز نپی تُلی باؤلنگ کر رہے تھے۔ دوسری طرف اُن کے فیلڈرز نے بیٹسمینوں کے لیے رنز بنانا دوبھر کر دیا تھا۔ تیرھواں اوور چل رہا تھا اور اسکور ۱۴۹ رنز تھا۔ یعنی شکیل کے ریٹائر ہونے کے بعد آٹھ اوورز میں صرف ۱۶ رنز بنے تھے۔ تاہم یہی بہت تھا کہ اس عرصے میں

پاکستان نے کوئی وکٹ نہیں گنوائی تھی۔

شہلا اور حنا میچ نہیں دیکھ رہی تھیں، اُن کے کان ٹرانزسٹر پر لگے تھے۔ اچانک کمنٹیٹر نے کہا: ابھی ابھی اسپتال سے اطلاع آئی ہے، پاکستانی بیٹسمین شکیل ظفر کے سر میں سات ٹانکے لگے ہیں۔ یہ پاکستان کے لیے بُری خبر ہے کیونکہ اب وہ اس میچ میں بیٹنگ نہیں کرسکیں گے۔ تاہم امکان ہے کہ وہ ۴ تاریخ کے سیمی فائنل میں کھیل سکیں گے بشرطیکہ پاکستان آج کا میچ جیت لے...“

شہلا نے پہلی بار سکون کا سانس لیا۔ ”خدا کا شکر ہے۔“ اُس نے آہستہ سے کہا۔

”لیکن آج کا میچ...“

”میچ جائے جہنم میں... میچ اُن کی زندگی سے زیادہ اہم تو نہیں۔“ شہلا نے تند لہجے میں کہا۔

”ہاں، یہ بات تو ہے۔“ حنا نے مجوب انداز میں کہا۔

اب وہ دونوں میچ دیکھ رہی تھیں۔

☆

شکیل اسٹیڈیم پہنچا تو ۲۵ اوورز ہو چکے تھے، اسکور ۷۲/۲ تھا اور دو کھلاڑی آؤٹ ہوئے تھے۔ جاوید اور مدثر نے آخری بیس اوورز میں صرف ۴۶ رنز بنائے تھے لیکن مثبت پہلو یہ تھا کہ کوئی وکٹ نہیں گری تھی۔ ایک روزہ میچ میں وکٹوں کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ وکٹیں باقی ہوں تو آخری دس اوورز میں انتہائی جارحانہ بیٹنگ دیکھنے میں آتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے میچ کا پانسا پلٹ جاتا ہے۔

شکیل وہاں پہنچتے ہی اپنے ساتھی کھلاڑیوں کے درمیان گھر گیا۔ وہ سب اُس کی مزاج پرسی کر رہے تھے۔ وہ بڑی بے پروائی سے انھیں بتاتا رہا کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔

”خاص بات نہیں ہے؟“ ٹیم کے کپتان عمران نے کہا۔ ”سات ٹانکے آئے ہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ ڈاکٹر نے تمھیں آرام کا مشورہ دیا ہے۔“

”ڈاکٹر لوگ اور کرتے بھی کیا ہیں۔“ شکیل نے بے پروائی سے کہا۔

”لیکن میں تمھیں کھیلنے نہیں دوں گا۔“ عمران کے لہجے میں قطعیت تھی۔

”خدانخواستہ ضرورت پڑی تو میں ضرور کھیلوں گا۔“

”ضرورت پڑی تو۔“ عمران نے کندھے جھٹکے۔ ”مجھے تو اُمید نہیں کہ ضرورت پڑے گی۔ جاوید اور مدثر دونوں سیٹ ہیں۔ یہ دونوں ۴۰ اوورز تک کھیل گئے تو ہم یقیناً میچ جیت جائیں گے۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“ شکیل نے بے حد خلوص سے کہا۔ ”لیکن وعدہ کرو کہ ضرورت پڑی تو تم مجھے کھیلنے دو گے۔“

”یہ ناممکن ہے۔ میں یہ خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ جانتے ہو، خدانخواستہ ایک گیند اور لگ گئی تو شاید تم کبھی نہ کھیل سکو۔ میں تمھیں ضائع نہیں کرسکتا۔“

"دوسری صورت میں بھی مجھے ضائع تو ہونا ہی ہے اگر میں نہ کھیلا اور پاکستان میچ ہار گیا تو میں کبھی نہیں کھیلوں گا۔" شکیل کے لہجے میں دل گرفتگی تھی۔

عمران چند لمحے اُسے بغور دیکھتا رہا پھر اس کے کندھے پر پیار سے ہاتھ رکھتے ہوئے بولا "ٹھیک ہے، میرا وعدہ ہے کہ اگر ضرورت پڑی تو میں تمہیں کھیلنے سے نہیں روکوں گا۔"

شکیل نے اُسے تشکر آمیز نگاہوں سے دیکھا لیکن خاموش رہا۔

جاوید اور مدثر نے اب تیز کھیلنا شروع کر دیا تھا۔ جیسے جیسے اوورز گزر رہے تھے، اُن کے اعتماد میں اضافہ ہو رہا تھا اب وہ کھل کر کھیل رہے تھے۔ ۴۰واں اوور ختم ہوا تو اسکور ۱۶۷ رنز دو کھلاڑی آؤٹ تھا ایسا لگ رہا تھا کہ پاکستان بہ آسانی میچ جیت جائے گا۔ تماشائیوں کا جوش و خروش بھی بڑھ گیا تھا اب وہ ہر شاٹ پر تالیاں بجا رہے تھے۔ پاکستان کو میچ جیتنے کے لیے آخری دس اوورز میں ۵۹ رنز بنانے تھے، جبکہ شکیل سمیت ابھی اُس کے آٹھ کھلاڑی باقی تھے۔

۴۱ ویں اوور میں اٹھارہ رنز بنے، جاوید نے مسلسل چار چوکے لگائے تھے۔ ۴۱ اوورز کے بعد اسکور ۱۸۵ تھا۔ اب آخری ۹ اوورز میں ۴۱ رنز کی ضرورت تھی۔ ۴۲ ویں اوور کے لیے رچرڈ نے سائمن کو بلایا جس کے پانچ اوورز ابھی باقی تھے، پھر وہ سائمن کے مشوروں کی روشنی میں اس کے لیے فیلڈ ترتیب دینے لگا۔

شکیل اس دوران شہلا کے بارے میں سوچتا رہا، اگر اُس کی ضرورت نہ پڑی اور پاکستان نے میچ جیت لیا تو اُس جنونی کا ردِعمل کیا ہو گا کیا وہ شہلا کو چھوڑ دے گا... یا اس بنیاد پر شہلا کو مار ڈالے گا کہ... کہ اس نے اچھی اننگ نہیں کھیلی ہے لیکن اُسے کھیلنے کا موقع ہی کہاں ملا تھا۔ وہ سوچتا اور اُلجھتا رہا۔

۴۲ ویں اوور میں کھیل کا پانسا ہی پلٹ گیا۔ اس اوور کی دوسری گیند پر جاوید آؤٹ ہو گیا۔ اب عمران کھیلنے جا رہا تھا۔ شکیل نے جاتے جاتے اُسے پکارا۔ عمران نے پلٹ کر دیکھا۔ "بے فکر رہو" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "اگر ضرورت پڑی تو تمہیں کھیلنے کا موقع ضرور ملے گا۔ لیکن ایسا ہوا تو تم گیارھویں نمبر پر آؤ گے۔"

۴۲ ویں اوور کی آخری گیند پر مدثر بھی آؤٹ ہو گیا۔ اسکور ۱۹۰ رنز تھا... چار کھلاڑی آؤٹ، مطلوبہ رنز ۳۶ ... آٹھ اوورز باقی تھے۔

لیکن وہ پاکستانی بیٹنگ کی تباہی کا نقطۂ آغاز تھا۔ ۴۳ ویں اوور میں مزید دو وکٹیں گریں۔ کپتان عمران ابھی کریز پر تھا لیکن پاکستانی ٹیم اچانک ہی دباؤ میں آگئی تھی۔ اسکور ۱۹۲ رنز، چھ کھلاڑی آؤٹ۔ میچ جیتنے کے لیے سات اوورز میں ۳۴ رنز درکار تھے۔

۴۴واں اوور خیریت سے گزر گیا اور اس میں چھ رنز بنے تھے۔ اب چھ اوورز میں ۲۸ رنز کی ضرورت تھی۔

۴۵ ویں اوور کی دوسری گیند پر سلیم رن آؤٹ ہو گیا۔ شکیل نے پیڈ کر لیے۔ اُس کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ اچھا خاصا جیتا ہوا میچ ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کہ اُسے بیٹنگ کے لیے جانا ہی ہو گا۔

۴۵ ویں اوور میں وسیم بھی آؤٹ ہو گیا۔ عمران نے آخری گیند پر چھکا لگایا۔ ۴۵ اوورز کے بعد کل اسکور ۲۰۳ رنز، آٹھ کھلاڑی آؤٹ۔ پانچ اوورز میں ۲۳ رنز درکار تھے جبکہ پاکستان کے صرف دو کھلاڑی باقی رہ گئے تھے۔

۴۶ ویں اوور میں توصیف رن آؤٹ ہو گیا۔ وہ کریز چھوڑ ہی رہا تھا کہ عمران نے اُسے روک لیا پھر پویلین سے شکیل نمودار ہوا۔ وہ سفید فلوپی ہیٹ پہنے ہوئے تھا، جس نے اُس کے سر پر بندھی ہوئی پٹی کو چھپا لیا تھا۔ عمران نے امپائر سے رنر کے سلسلے میں بات کی۔ امپائر سے اجازت لینے کے بعد وہ کریز چھوڑ کر شکیل کی طرف بڑھ گیا، جو نان اسٹرائیکر اینڈ کے قریب پہنچ چکا تھا۔ عمران نے اُس کی کمر تھپتھپائی۔ توصیف بھی اُن کے پاس آگیا تھا۔ وہ آپس میں اپنی حکمتِ عملی طے کرتے رہے۔ شکیل کی جگہ رننگ توصیف کو کرنا تھی، اس لیے عمران اُسے خصوصی ہدایات دے رہا تھا۔

چالیس اوورز تک تو میچ پوری طرح پاکستان کے حق میں تھا، لیکن ۴۲ ویں اوور میں جاوید کے آؤٹ ہوتے ہی تباہی کا آغاز ہو گیا۔ اب تو پاکستانی ٹیم کا اچانک اس طرح ڈھیر ہونا حیرت انگیز بھی نہیں رہا تھا۔ پاکستانی ٹیم جو کسی بھی وقت، کسی بھی ٹیم کو ہرانے کی صلاحیت رکھتی ہے، اس میں اچانک ڈھے جانے کی صلاحیت بھی ہے۔ پہلے بھی کئی بار ایسا ہو چکا تھا۔ عموماً جاوید کے آؤٹ ہوتے ہی ٹیم نفسیاتی دباؤ میں آجاتی تھی، اس روز بھی یہی ہوا۔ جاوید کے آؤٹ ہونے کے بعد پاکستانی کھلاڑی تواتر سے آؤٹ ہوتے رہے۔ ۴۶ ویں اوور میں توصیف آؤٹ ہوا تو ہر شخص کے خیال میں پاکستانی ٹیم آل آؤٹ ہو چکی تھی لیکن عمران نے توصیف کو روک لیا۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ کیا ہو رہا ہے۔

شہلا حیران تھی، پھر ٹرانزسٹر پر کمنٹیٹر افتخار کی ہیجانی آواز اُبھری۔

"یس... ہی از کمنگ آؤٹ، آئی کین سی ہم..."

شہلا نے چونک کر دیکھا اور اُس کا دل اُچھل کر گویا حلق میں آگیا۔ پویلین سے شکیل نمودار ہو رہا تھا۔ اُس کے سر پر فلوپی ہیٹ تھا۔ وہ بظاہر ٹھیک ٹھاک نظر آرہا تھا پھر وہ وکٹوں کے درمیان پہنچا تو شہلا نے دیکھا، وہ وہی کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اُس کے سوئٹر اور قمیص کے کالر پر خون کے دھبے تھے۔ شہلا نے اپنی بے ساختہ چیخ کا گلا گھونٹ دیا۔ خود کو تماشا بنانے سے کیا فائدہ۔ اُس وقت وہ خود کو کسی اَن دیکھی زنجیر کی گرفت میں محسوس کر رہی تھی۔ شاید وہ ناموسِ محبت کی زنجیر تھی۔

اب پاکستان کو میچ جیتنے کے لیے ۲۶ گیندوں میں ۲۲ رنز

بنانے تھے۔ اور ان کی بیٹنگ کی آخری جوڑی کریز پر موجود تھی۔ عمران، سائمن کا سامنا کر رہا تھا۔ اس نے پہلی گیند پر دفاعی اسٹروک کھیلا اور اس سے اگلی گیند پر ایک رن بنالیا، وہ اوور کی آخری گیند تھی۔ اس رن کا نتیجہ یہ نکلا کہ اگلے اوور کی پہلی گیند بھی اسی کو کھیلنا تھی۔ اسکور ۴۶ اوور میں ۲۰۵ رنز ۹ کھلاڑی آؤٹ تھا۔ میچ جیتنے کے لیے ۲۴ گیندوں پر ۲۱ رنز درکار تھے۔

۴۷ ویں اوور کی پہلی تین گیندوں پر عمران رن نہ بنا سکا۔ اس نے کئی زوردار اسٹروک کھیلنے کی کوشش کی لیکن گیند ٹھیک طور سے بیٹ پر نہیں آئی۔ اس کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ شکیل کو باؤلنگ کا سامنا نہیں کرنے دے گا۔ چوتھی گیند پر اس نے فائن لیگ کی طرف شاٹ کھیلا اور دو رنز بنائے۔ پانچویں گیند وہ بیٹ پر نہ لے سکا۔ چھٹی گیند سے پہلے ویسٹ انڈیز کے کپتان نے فیلڈنگ کلوز کر دی۔ وہ عمران کو سنگل لینے سے روکنے کی کوشش کر رہا تھا۔ عمران نے فیلڈ کا جائزہ لیا اور کھیلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ چھٹی گیند یارکر تھی۔ عمران نے اسٹروک ڈراپ کیا اور شاٹ کھیلتے ہی رن بنانے کے لیے بھاگ کھڑا ہوا۔ دوسرے اینڈ سے توصیف پہلے ہی اسٹارٹ لے چکا تھا۔ مِڈ آف کے فیلڈر نے باؤلر کی طرف تھرو کی لیکن عمران کریز میں پہنچ چکا تھا۔

۴۷ اوورز۔۔۔ اسکور ۲۰۸ رنز، ۹ کھلاڑی آؤٹ۔ پاکستان کو میچ جیتنے کے لیے ۱۸ گیندوں پر ۱۸ رنز کی ضرورت تھی۔

۴۸ ویں اوور کی پہلی پانچ گیندیں ضائع ہوئیں تاہم عمران آخری گیند پر رن بنانے میں کامیاب ہو گیا لیکن دباؤ بڑھ گیا۔ اب صرف ۱۲ گیندیں باقی تھیں اور ۱۷ رنز درکار تھے۔ ۴۹ ویں اوور میں بھی یہی ہوا، اس بار بھی آخری گیند پر رن بنا۔ یوں عمران، شکیل کو باؤلنگ کے سامنے لانے سے بچانے میں کامیاب ہو گیا لیکن اُسے وہ کامیابی بہت مہنگی پڑی تھی۔ اس کا ہدف بہت دُور ہو گیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ آخری اوور میں ہر گیند کے گزرنے کے ساتھ ساتھ ہدف دُور تر ہو جائے گا۔ اب اُسے ۶ گیندوں میں ۱۶ رنز بنانے تھے۔

ویسٹ انڈیز کے کپتان نے بھانپ لیا تھا کہ اُسے میچ جیتنے کے لیے صرف چوکے بچانے ہیں۔ اس نے تمام فیلڈرز کو باؤنڈری لائن پر بھیج دیا۔ سنگل اور دو رن کی اُسے کوئی پروا نہیں تھی۔ تماشائی دم سادھے بیٹھے تھے۔ کھیل انتہائی سنسنی خیز مرحلے میں داخل ہو گیا تھا۔

عمران نے نہایت باریک بینی سے فیلڈ کا جائزہ لیا۔ اس فیلڈ پلیسنگ میں وہ دو رن آسانی سے حاصل کر سکتا تھا لیکن اُسے احساس تھا کہ اس اوور میں اُسے کم از کم تین چوکوں کی ضرورت ہے۔ دشواری یہ تھی کہ وہ شاٹ کھیلنے اور رن بنانے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ وہ حیرت انگیز حد تک پُرسکون تھا۔ اُسے میچ جیتنے کی کوشش کرنا تھی، وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو یا نہ ہو، اُسے یہ اطمینان بہرحال تھا کہ اس نے مستقبل کے ایک بہت اچھے کھلاڑی کو بچا لیا ہے۔ فیلڈ کا جائزہ لیتے ہوئے اُسے اندازہ ہوا کہ ڈیپ اسکوائر لیگ

کاؤنٹی چیمپئن شپ کے میچ میں ایک بیٹس مین پہلی ہی گیند پر آؤٹ ہو گیا۔
"گزشتہ ہفتے بھی شاید یہی کچھ ہوا تھا۔"
وکٹ کیپر نے اس سے پوچھا۔
"نہیں، پچھلے ہفتے میں دیر تک کھیلا تھا۔ میں نے ۴۰ رنز بنائے تھے اور جب میں ڈریسنگ روم میں پہنچا تو ساری بیئر ختم ہو چکی تھی۔"

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ایک بیٹس مین پر بُرا وقت آیا ہوا تھا۔ ہر بار وہ گیند پر جھپٹتا لیکن گیند کی بیٹ سے ملاقات نہ ہو پاتی۔ لمحہ بہ لمحہ اُس کا اضطراب بڑھتا جا رہا تھا۔
باؤلر اپنے باؤلنگ اسٹارٹ کی طرف جا رہا تھا۔ بیٹس مین نے پلٹ کر وکٹ کیپر کو دیکھا اور بولا۔ "اگر بیئر کی بوتل مل جاتی تو میں بتاتا۔"
"میرا خیال ہے، تم اُسے بھی بیٹ پر نہ لے پاتے۔"

اور ڈیپ مِڈ آن کا درمیانی گیپ اُسے مدد دے سکتا ہے لیکن اس کے لیے اُسے اپنے مطلب کی گیند درکار تھی۔ وہ کھیلنے کے لیے تیار ہو گیا۔

پہلی گیند مِڈل اینڈ آف پر تھی۔ اس نے گیند کو آہستہ سے پُش کیا، فیلڈر کو بہت دُور سے دوڑ کر آنا پڑا۔ اس نے آسانی سے دو رنز بنا لیے۔ اب پانچ گیندوں میں ۱۴ رنز درکار تھے۔ دوسری گیند اس نے سلپس میں کھیلی، جہاں کوئی فیلڈر موجود نہیں تھا، اس بار بھی دو رن بنے۔ اب چار گیندوں میں بارہ رنز کی ضرورت تھی۔ تیسری گیند اُس کے مطلب کی تھی۔ اس نے گیپ میں شاٹ کھیلا اور وہ شاندار چوکا تھا۔ تماشائی دیوانہ وار تالیاں بجا رہے تھے۔ اب تین گیندوں پر ۸ رنز بنانے تھے۔ چوتھی گیند لیگ اسٹمپ پر تھی، وہ اُسے کنکٹ نہ کر سکا۔ گیند وکٹ کیپر کے پاس گئی۔ دباؤ پھر بڑھ گیا، اُسے پانچویں گیند پر چوکا درکار تھا، ورنہ میچ ہاتھ سے نکل جاتا۔

پانچویں گیند پر اس نے پھر پُش کیا لیکن گیند کی رفتار تیز تھی۔ اُسے ہر حال میں دو رنز بنانے تھے۔ وہ پہلے رن کے لیے بہت تیزی سے بھاگا۔ فیلڈر گیند کے قریب پہنچ ہی رہا تھا کہ وہ دوسرے

رنز کے لیے پلٹا، وہ رن خطرناک تھا لیکن عمران جانتا تھا کہ ناگزیر ہے۔ وہ رن نہ بناتا، تب بھی پاکستان میچ ہار جاتا کیونکہ ایک گیند پر سات رنز نہیں بن سکتے تھے۔ وہ کریز سے دُور تھا کہ فیلڈر نے تھرو کی لیکن تھرو کرتے ہوئے فیلڈر کا پاؤں پھسلا۔ گیند وکٹ کیپر سے خاصی دُور تھی۔ وکٹ کیپر نے ڈائیو کرکے گیند روکنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

اس دوران عمران کریز میں پہنچ چکا تھا لیکن پھر وہ اضطراری طور پر تیسرے رن کے لیے بھاگ کھڑا ہوا۔ تیسرا رن بننے کے بعد اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اُس نے پلٹ کر دیکھا۔ چوتھے رن کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اُس نے اپنے زخمی ساتھی کو میچ کی آخری گیند پر ایکسپوز کردیا تھا اور وہ بھی اس باؤلر کے سامنے، جس کی گیند پر وہ زخمی ہوا تھا۔

اب ایک گیند پر پانچ رنز درکار تھے۔ یہ پانچ رنز تو اعداد و شمار کی بات ہے۔ سب جانتے تھے کہ شکیل کے چھکا مارنے کی صُورت میں ہی میچ جیتا جاسکتا تھا۔ اسٹیڈیم پر سناٹا طاری تھا۔ شکیل اور عمران وکٹ کے وسط میں کھڑے تھے۔

”مَیں چاہتا ہُوں کہ تم میچ کی نہیں، بلکہ اپنی فکر کرو۔“ عمران نے شکیل سے کہا۔ وہ بہت پشیمان نظر آرہا تھا۔

”آپ فکر نہ کریں، مجھے کچھ نہیں ہوگا۔“

عمران نے چونک کر اُسے دیکھا۔ اُس کے لہجے میں کوئی بات تھی، جس سے عمران کو اندازہ ہوگیا کہ اب اُسے سمجھانا بے سود ہے۔

شکیل کریز میں آگیا۔ اُس نے فیلڈ کا جائزہ لیا اور پھر جُھکا... اُسے چکر آگیا، اگرچہ چکر شدید نہیں تھا۔ تاہم اُس احساس کی موجودگی میں ارتکاز بہت مشکل تھا۔

سائمن باؤلنگ اسٹارٹ پر کھڑا تھا۔ اُس کے کپتان نے اُسے مشورہ دیا تھا کہ شارٹ آف گڈ لینتھ گیند کرائے کیونکہ اُنہیں صرف چھکے سے بچنا تھا۔ کپتان کا مشورہ درست تھا لیکن سائمن نے اپنے طور پر اُس میں ایک اضافہ کیا۔ اُس کے سامنے وہ بیٹسمین تھا جسے اُس نے زخمی کیا تھا۔ ایسا بیٹسمین ویسے ہی پریشر میں ہوتا ہے۔ چھکے کا سوال ہی نہیں تھا۔ بس اُسے انتہائی تیز رفتار گیند کرانا تھی۔ بیٹسمین کو تیار دیکھ کر اُس نے دوڑنا شروع کیا۔

اور وہ ہر لحاظ سے ایک پرفیکٹ گیند تھی۔ رفتار اور پھر لینتھ اور ڈائریکشن... شکیل اُسے سمجھ ہی نہیں سکا لیکن سائمن سے ایک غلطی سرزد ہوگئی تھی۔ اسپیڈ کے چکر میں وہ اوور اسٹیپنگ کا شکار ہوگیا تھا۔ امپائر نے نو بال کا اشارہ کیا۔

شکیل حیران تھا۔ قدرت نے اُسے ایک اور موقع دیا تھا لیکن ایسا موقع تو اُسے اس میچ میں پہلے بھی مل چکا تھا۔ سوال یہ تھا کہ وہ موقع سے فائدہ اُٹھا پائے گا یا نہیں۔ وہ اُمید و بیم کی کیفیت کے درمیان معلق تھا۔

سائمن کے گرد ویسٹ انڈیز کے سینئر کھلاڑی جمع تھے۔ اب ایک گیند پر چار رن کا معاملہ تھا۔ سب اُسے سمجھا رہے تھے کہ اسپیڈ کی اہمیت نہیں۔ اس گیند کے بارے میں اُسے سمجھایا گیا، مشورے دیے گئے پھر تمام فیلڈرز اپنی اپنی جگہ چلے گئے۔ دوسری طرف عمران، شکیل کا حوصلہ بڑھا رہا تھا۔

سائمن اب فرسٹریشن کا شکار تھا۔ یہی وہ بیٹسمین تھا جس کی اسٹمپ اُس نے توڑی تھی لیکن وہ پھر بھی آؤٹ نہیں ہُوا تھا۔ خیر، اُس نو بال کا بدلہ اُس نے بیٹسمین کا سر توڑ کر لے لیا تھا۔ اب وہ پھر اُس کے سامنے تھا اور میچ کی آخری بال پھر نو بال ہوگئی تھی۔ اُسے ایک بار پھر بدلہ لینا تھا۔ اُس نے اپنے سینئر ساتھیوں کے تمام مشورے نظرانداز کردیے اور باؤنسر کرانے کا فیصلہ کیا۔ اُس کی ایک وجہ تو اُس کا فرسٹریشن تھا اور پھر وہ نیا اور ناتجربہ کار باؤلر تھا۔ اُس کی دانست میں وہ بہترین حکمتِ عملی تھی۔ زخمی بیٹسمین مزید زخمی بھی ہوسکتا تھا، وہ لازمی طور پر ڈرا ہوا ہوگا۔ چنانچہ یہ امکان بھی تھا کہ ڈک کر جائے گا اور اگر کھیلا بھی تو فیلڈرز باؤنڈری پر کیچ کے لیے تیار ہوں گے، بس اُسے باؤنس کو کنٹرول کرنا تھا کہ وائڈ بال نہ ہوجائے۔

شکیل تیار تھا۔ سائمن کا ہاتھ گھومتے ہی اُسے اندازہ ہوگیا کہ وہ باؤنسر کرے گا۔ مڈل اسٹمپ پر، اُسے چار رنز درکار تھے اور ہُک کے علاوہ کوئی صُورت نہیں تھی۔ ویسے بھی اُس پر اسی ہُک کا قرض تھا اور اُسے یہ قرض چکانا تھا۔ وہ تیزی سے آف اسٹمپ کے باہر نکلا، اپنے جسم کو ہُک کی پوزیشن میں لایا۔ گیند ٹپا کھا کر اُٹھ رہی تھی۔ اُسے چکر کا احساس ہُوا لیکن اُس نے اپنی قوتِ ارادی کے زور پر اُسے ذہن سے جھٹک دیا۔ گیند اُسے سلو موشن میں اپنی طرف آتی نظر آئی۔ اُس نے بہترین ٹائمنگ کے ساتھ ہُک کیا۔ گیند فضا میں تیرتی ہوئی فائن لیگ باؤنڈری کے پار اسٹینڈ میں جا کر گری۔ اسٹیڈیم تالیوں کی گونج سے لرز اُٹھا۔ وہ بھی ساتویں گیند تھی، جس نے اُسے زخمی کیا تھا اور یہ بھی ساتویں گیند تھی جس نے اُسے سرخروئی بخشی تھی۔ اُس نے بلّا چھوڑا... دونوں ہاتھوں سے سر تھاما اور زمین پر بیٹھ گیا۔ سر میں ٹیسیں اُٹھ رہی تھیں... قوتِ برداشت جواب دے گئی تھی۔

شہلا اور حیا دی۔ آئی۔ پی گیٹ پر پہنچیں تو جمال وہاں موجود تھا۔

”اوہ... آپ ہیں یہ۔“ اُس نے چہک کر کہا۔ ”کیسے میچ کیسا رہا؟“

”شاندار، آپ کے دوست نے تو کمال کردیا۔“ حیا نے جواب دیا۔ شہلا خاموش رہی۔

”آپ ابھی میرے ساتھ چلیں گی۔“ جمال نے حیا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ اُس کی آنکھیں شہلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہہ رہی تھیں لیکن شہلا بے خبر تھی۔

”لیکن میری کار...“

”شہلا صاحبہ بھی تو ڈرائیو کرسکتی ہیں۔ مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنا ہیں۔ اس کے بعد مَیں آپ کو شہلا صاحبہ کے گھر ڈراپ کردوں گا۔ وہاں سے آپ اپنی گاڑی میں چلی جائیے گا۔“

حنا نے شہلا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "لیکن میں شہلا کے ساتھ آئی ہوں۔"

"تو میں ان سے اجازت لے لیتا ہوں۔ کیوں محترمہ، اجازت ہے؟" وہ شہلا سے مخاطب ہو گیا۔

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے" شہلا نے آہستہ سے کہا۔

حنا نے شہلا کو کار کی چابی دی اور جمال سے کہا "چلیے۔"

اُن دونوں کے جانے کے بعد شہلا وہاں کھڑی رہی پھر شکیل چند کھلاڑیوں کے ساتھ باہر آیا۔ شہلا کو دیکھتے ہی اُس نے اپنے ساتھیوں کو ایکسکیوز کیا اور شہلا کی طرف لپکا "آپ... آپ خیریت سے تو ہیں؟"

"مجھے ہوا کیا تھا؟ آپ اپنی سنائیں" شہلا کے لہجے میں تشویش تھی۔

"اُس نے... اُس نے آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں پہنچائی؟"

شہلا کو اُس کی باتوں میں بے ربطی محسوس ہوئی۔ سر کی چوٹ کا معاملہ تھا۔ اُس کے ذہن میں اندیشے سرسرانے لگے "کس نے... کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ؟"

"جس نے تمہیں اغوا کیا تھا"

"مجھے... اغوا؟" شہلا حیران رہ گئی۔

"ہاں" شکیل نے کہا اور پوری تفصیل سُنا دی۔

"لیکن میں نے تو آپ کا پورا میچ دیکھا ہے"

"اوہ" شکیل نے کہا اور سوچ میں پڑ گیا "اور یہ جمال کہاں غائب ہے؟"

"وہ حنا کے ساتھ گئے ہیں، آپ میرے ساتھ چلیے، حنا کی گاڑی میرے پاس ہے"

وہ دونوں حنا کی کار میں جا بیٹھے "کہاں چلیں گے؟" شہلا نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

"وہیں، جہاں تم سے پہلی ملاقات ہوئی تھی"

"لیکن آپ کو آرام کی ضرورت ہے"

"بس، چائے پیتے ہی اُٹھ جائیں گے اور میں کل ہی اپنی امی کو تمہارے گھر بھیجوں گا"

وہ فاروش میں اُسی مخصوص میز پر بیٹھے۔ اُسی ویٹر نے انہیں سرو کیا، جس نے پہلی بار سرو کیا تھا۔ وہ چائے پی چکے تو ویٹر بل لے آیا۔ شکیل نے بل ادا کیا اور اُسے بھاری ٹپ دی پھر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔ ویٹر اُسے احترام آمیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"سر آپ کے زیادہ چوٹ تو نہیں لگی؟" اُس نے شکیل کے سر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

شکیل بُری طرح چونکا۔ اُس نے حیرت سے ویٹر کو دیکھا۔

"ویسے سر آج آپ بہت اچھا کھیلے۔ آپ صحیح معنوں میں آج کے میچ کے ہیرو تھے" ویٹر نے مزید کہا۔

کارکردگی

میچ کے دوران ایک کھلاڑی نے زبردست چھکا مارا گیند مرغیوں کے ایک فارم میں گری۔ مرغے نے اپنی تمام مرغیوں کو بلایا اور انہیں گیند دکھائی۔

"دیکھو لڑکیو!" اس نے مرغیوں سے کہا۔ "مجھے شکوہ کرنا اچھا تو نہیں لگتا۔ اب تم خود دیکھو، پڑوس کی مرغیاں کتنی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کر رہی ہیں۔"

"کتنی عجیب بات ہے" شکیل نے ویٹر سے کہا "ہم اجتماعی سطح پر دہشت گرد ہو گئے ہیں۔ جو عملاً کچھ نہیں کر سکتے انھوں نے دہشت گردی کے لیے اور راستے نکال لیے ہیں۔ افواہیں پھیلانا بھی بدترین دہشت گردی ہے، اور یہ کام ہر شخص کرتا ہے۔ آج میں دہشت گردی کی ایک نئی قسم سے واقف ہوا ہوں"

شہلا اُس کی اس بے ربط گفتگو پر حیران رہ گئی۔ اُسے شکیل کے سر کی چوٹ کے متعلق پھر تشویش ہونے لگی۔ ویٹر کا مُنہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"آیئے چلیں" شہلا نے شکیل کا ہاتھ تھام کر کہا۔

وہ دونوں چل دیے۔ چار پانچ قدم آگے جا کر شکیل نے نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑایا "ایک منٹ" اُس نے کہا "تم کار کی طرف چلو، میں ابھی آیا"

شہلا نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کندھے جھٹکے اور کار کی طرف چل دی۔ شکیل پلٹا اور ویٹر کی طرف بڑھا۔

"یس سر؟" ویٹر نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

"تمہاری آواز فون پر بھی صاف پہچانی جاتی ہے دوست" شکیل نے آہستہ سے کہا۔

ویٹر کا چہرہ زرد پڑ گیا، جیسے کسی نے اُس کے جسم سے سارا خون نچوڑ لیا ہو۔ اُس کے ہونٹ لرزے لیکن کوئی آواز نہیں نکلی۔

"محبت کے بھی آداب ہوتے ہیں دوست اور جنون کے بھی" شکیل نے مزید کہا۔

"آئی... آئی ایم سوری سر... ویری سوری" ویٹر نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"یاد رکھو، سوری کہنے سے مُردے جی نہیں اُٹھتے" شکیل کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"میں یاد رکھوں گا سر... ہمیشہ یاد رکھوں گا" ویٹر گھگیانے لگا۔

شکیل چند لمحے اُسے گھورتا رہا اور پھر پلٹ کر کار کی طرف چل دیا۔

محمد سجاد بھٹی، محمد نعمان یاسر حسنین